بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جز ذات خدا نہیں ہے کوئی بے عیب
تھے لفظ جو کل فصیح ہیں آج رکیک

مظہر اُس کا نبی برحق لاریب
اس ذوق کا رازداں ہے لسان الغیب

بعد حمد و نعت و ولا کے ہیچمدان عرض کرتا ہے کہ یہ رسالہ ایک مختصر سی فرہنگ ہے جس میں اون الفاظ سے بحث ہوئی ہے جن کو بعض استادان معاصر زبان اردو نے غیر فصیح اور قابل ترک قرار دیا ہے یہ الفاظ تالیفات ذیل سے ماخوذ ہیں (۱) دستور الشعرا مؤلفہ کمال لکھنوی (۲) اصلاح زبان اردو مؤلفہ عشرت لکھنوی (۳) قرار الاصطلاحات مؤلفہ قرار شاہجہانپوری۔ رسالہ نمبر ایک کی تردید و تصحیح میں ضیا دہلوی نے (تصحیح الدستور) کے نام سے اپنی ایک مختصر سی تالیف شائع فرمائی ہے جس میں آپ نے دستور الشعرا کی تصحیح فرمائی۔ ہم نے اس کتاب میں (تصحیح الدستور) سے بھی مدد لی ہے۔ ہم حضرات کمال۔ عشرت۔ قرار و ضیا کے شکر گزار ہیں جن چاروں

بزرگون کی بدولت یہ مختصر و مفید رسالہ مرتب ہو سکا یہ وہی رسالہ ہے جس کا اشارہ ہم نے اپنی مختصر سوانح عمری اعنی (حیوۃ العزیز) کے گیارھوین باب مین کیا ہے جس کو ہم نے نیرنگ سخن کی تمہید قرار دیا ہے۔ اور اس رسالہ کو اس کا ضمیمہ۔ یہ رسالہ (معیار فصاحت) سے موسوم ہے۔

فصاحت کا معیار ہماری راے مین فصاحت کا معیار فصحا کا کلام ہے۔ اور ہم متقدمین اور متاخرین اور متوسطین کو فصیح مانتے ہین اور معاصرین سے صرف ان استادونکو جو اردو کے سوا عربی و فارسی زبان سے بھی واقف اور استادان سلف کے پیرو ہون استادان معاصر جب تک بالاتفاق کسی لفظ کو ترک نہ کرین ہم اس ترک کو ترک نہین خیال کرتے۔ اور جس لفظ کو اتفاق نے متروک قرار دیا ہو۔ اگر اس کا استعمال استادان سلف کے کلام مین ہے تو ہم اس کو غیر صحیح اور غیر فصیح نہین کہتے۔ بلکہ اس کے ترک کو معاصرین کا خاص ذوق خیال کرتے ہین۔ شعراے معاصر کو کامل اختیار ہے کہ ترک الفاظ کے متعلق اپنے ذوق سلیم پر عمل کرین۔ اور شعراے سلف سے جس کا طرز انکو پسند ہو اسکو اختیار کرین یہی رنگ ہے استادان معاصر فارسی و عربی کا۔ لیکن اردو کی بدقسمتی سے بعض معاصرین اہل زبان نے بعض الفاظ مستعملۂ استادان سلف پر غیر فصاحت کا جو دھبہ لگایا ہے جس کے ذریعہ سے حلقۂ زبان کو تنگ کرنا چاہا ہے ان کا یہ طرز ہمارے ناپسند ہے (تصحیح الدستور) مین جو مسئلہ فوائد اور خوبیان بیان ہوی ہین انکو اسکی شان تحریر نے مخفی کر دیا۔ اور ہم نے اس قرابۂ مخلوط سے گلاب کا عطر کھینچا ہے۔

افسوس ہے کہ کمال لکھنوی کا رسالہ (دستور الشعرا) ہم کو نہین ملا۔ قول کمال کی جو نقل ہم نے اس رسالہ مین کی ہے وہ (تصحیح الدستور) سے نقل النقل ہے صاحب (تصحیح الدستور)

کے طرز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے (دستور الشعرا) کے چند الفاظ کو چھوڑ دیا ہے ہمارا خیال ہے کہ غالباً آپ کو اسکی تردید کے لئے ساز و سامان نہ ملا ہو۔

ہم نے یہ بھی سنا ہے کہ ان ۳ رسائل کے سوا جو ہماری اس تالیف کے ماخذ ہین اور چند رسائل بھی متعلق بہ ترک الفاظ دلی اور لکھنؤ سے شائع ہوے ہین۔ آیندہ زمانے مین اگر وہ رسائل بھی ہم کو ملین تو ہم اس کتاب کی طبع ثانی مین اون الفاظ سے بھی بحث کرینگے جنکے ترک کی ہدایت اون رسائل مین ہو (انشاء اللہ تعالیٰ)

معزز ناظرین سے ہم کو امید ہے کہ اگر ہماری اس تالیف مین ہم سے کوئی غلطی ہوئی ہو تو براہ مہربانی اس سے ہم کو آگاہ فرما کر شکر گزاری کا موقع دین تاکہ ہم سکنڈ ایڈیشن مین اس کی اصلاح کر سکین۔ فقط

خادم الشعرا

عزیز جنگ ولا

الف ممدودہ

آبادی عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ اسکا استعمال سقوط یاے تحتانی کے ساتھ غیر فصیح ہے

مؤلف عرض کرتا ہے کہ ہمارا ذوق بھی سقوط یا کو پسند نہین کرتا لیکن ہم اسکو غیر فصیح نہین خیال کرتے (امیر ؎) بادہ خوارون کا زمانے سے جدا عالم ہے ؛ بھٹیان ہوتی ہین آبادی اکثر باہر ہو

آپہی کمال لکھنوی نے فرمایا ہے کہ اس کا استعمال بروزن فعلن قابل ترک ہے۔ ضیاے دہلوی نے کہا ہے کہ آپہی بروزن فعلن اور آپہی بروزن فاعلن دونون طرح مستعمل ہے اس طرح پر کہ جب فعلن کے وزن پر آے گا تو یاے فارسی کو ہاے ہوز کے ساتھ ملا کر لکھا جاے گا اور جب فاعلن کے وزن پر آئے تو پے علیحدہ

مرقوم ہوگی مؤلف عرض کرتا ہے کہ جناب امیر مینائی نے امیر اللغات میں اس کو ترک اور (آپ ہی یا آپی) کو قائم فرمایا ہے اور صاحب فرہنگ آصفیہ نے بذیل (آپہی) اپنے کلام سے (آپہی) کی سند دی ہے (س) جب کوئی بھی ملا نہ ہمیں اپنا درد مند ؛ ہم آپہی سوگوار اپنے اپنے واسطے ؛ میر تقی کے کلام میں (آپہی آپ) کا استعمال پایا جاتا ہے (س) آتا ہے دل میں حال بدا پنا بھلا کہوں ؛ پھر آپہی آپ سوچ کے کہتا ہوں کیا کہوں ؛ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ دلّی میں اس کا استعمال ہے اور لکھنؤ میں متروک مؤلف کی راے میں دونوں طرح استعمال ہو سکتا ہے لیکن مؤلف کا ذاتی ذوق یہ ہے کہ یا تو (آپ ہی) بروزن فاعلن استعمال کریں یا (آپی) بروزن فعلن بدون ہا۔

آپی حضرت لکھنوی اور قرار شاہجہانپوری فرماتے ہیں کہ بمعنی (آپ ہی) قابل ترک جناب امیر نے امیر اللغات میں اس کو قائم فرمایا اور اس کے غیر فصیح ہونے کا کوئی اشارہ نہیں فرمایا ہے مؤلف کا ذوق اس کے استعمال کو پسند کرتا ہے اور متعدد استادوں کے کلام میں بھی اس کا استعمال پایا جاتا ہے (ناسخ س) اٹھگئی جب سے دوئی ناسخ تو کہتا ہوں یہی ؛ آپ ہی شاہد ہے آپی رند شاہد باز ہے ؛ (ظفر س) کسی کی عقل پر کرتے نہیں یہ عشقبازی ہم ؛ جو نادان ہیں تو آپی ہیں جو عاقل ہیں تو آپی ہیں ؛ (وزیر س) بہت کچھ کھو کے پائی اس نے راہ خود فراموشی دل گم گشتہ آپی خضر ہے اپنے بیابان کا ؛ (ذوق س) کسی بیکس کو اے بیداد گر مارا تو کیا مارا ؛ جو آپی مر رہا ہو اسکو گر مارا تو کیا مارا ؛ (رشک س) تم کو خط لکھنے میں کھلتا ہے قلمدان آپی ؛ کیا کریں تاب قلم کو نہیں قابو ہم کو ؛ (ولہ س) پھرتا ہوں گردیار آپی ؛ گردش ایام کی نہیں ہے ؛

آتش کمال لکھنوی نے فرمایا ہے کہ اس کا استعمال یکسر غلط اور قابل ترک ہے ضیاے دہلوی نے اس کی تردید کی ہے مؤلف

عرض کرتا ہے یہ فارسی زبان کا لفظ ہے صاحب
برہان قاطع نے لفظ آذیش پر لکھا ہے کہ
(آتش در ہمہ فرہنگہا یکسر تا سے قرشت آمدہ
و با دانش قافیہ شدہ) فارسی مین بفتح و کسرہ
تا دونون طرح استعمال ہے اردو مین بھی اس
کا استعمال دونون طرح غلط نہین ہے ہمارا
ذوق ذاتی یہ ہے کہ ہم فارسی مین دونون طرح
استعمال کرتے ہین۔ اور اردو مین بفتح فوقانی
ہی پسند کرتے ہین۔ اپنا اپنا ذوق اور استاد
زبان اردو کے کلام مین بھی ہم نے بالکسر
نہین پایا۔

آتے قرار شاہ جہانپوری فرماتے ہین آنے
والے کے معنون مین اب اس کا استعمال
نہین ہے اور قابل ترک ہے **مؤلف** کا
ذوق اس کے استعمال کو پسند کرتا ہے جناب
امیر نے بھی استعمال فرمایا ہے (سے)
پادشاہون کے دربار درپیر مغان پہ سیکڑون
چلے گئے سیکڑون آتے آئے۔

آجاتا ہے عشرت لکھنوی اور قرار
شاہ جہانپوری فرماتے ہین اس کا استعمال
بمعنی آجاتا ہے قابل ترک ہے **مؤلف** عرض
کرتا ہے کہ غالب اور ذوق کے کلام مین اس
کا استعمال موجود ہے اور ہمارا ذاتی ذوق
عشرت و قرار کے موافق ہے (غالب سے)
کبھی نیکی بھی اس کے جی مین گر آجاے ہے
مجھ سے پہ جفائین کر کے اپنی یاد شرما جاے
ہے مجھ سے پہ (ذوق سے) نزع مین بھی
ذوق کو تیرا ہی بس ہے انتظار پہ جانب
در دیکھ لے ہے ہوش جب آجاے ہے پہ
جن شعرا کو غالب و ذوق کا طرز پسند ہے وہ
اس کا استعمال بے تکلف کر سکتے ہین پہ

آخرش قرار شاہ جہانپوری فرماتے ہین
کہ اب یہ بمعنی آخر مستعمل نہین ہے **مؤلف**
عرض کرتا ہے کہ فارسی زبان کا لغت ہے
جناب امیر۔ امیر اللغات مین فرماتے ہین
کہ چونکہ شین اس لفظ مین زائد ہے اس لئے
محققین لکھنو کو اسکی صحت مین کلام ہے اور
مسلمہ شعراے لکھنو کے کلام مین نہین ملا۔

مگر اس وجہ سے کہ قدما و متاخرین شعراے دہلی کے کلام مین بکثرت پایا گیا ۔ اردو مین اس کے غلط ہونے کی راے نہین دی جا سکتی ۔ ہم عرض کرتے ہین کہ یہ لفظ اپنی زبان مین صحیح ہے ۔ اور لغات فارسی مین اس کا ذکر ہے اور ہماری تالیف (آصف اللغات) مین بھی ہم نے اس کا ذکر کیا ہے ۔ اور اساتذہ اردو نے بھی بکثرت استعمال کیا ہے ۔ ہمارا ذوق اردو مین بھی اس کے استعمال کو پسند کرتا ہے (ذوق ؎) ہوتی ہے جمع زر سے پریشانی آخرش ۔ درہم کی شکل و صورت درہم سے کم نہین ۔ (ولہ ؎) تیر تون دل اور پیکان دونون سینے مین رہے ۔ آخرش دل بہ گیا خون ہو کے پیکان ہی ہاتھ (ظفر ؎) کہدو غنچے سے نہ پھولے لشت زر پر باغ مین ۔ آخرش جاتا ہے یان سے ہاتھ بالکل جھاڑ کے ۔ (سودا ؎) بڑھ بڑھ کے آخرش وہ لگے تو مین داغنے چ اُس پلے پر جہان سے جز اثر کی ہووے مار ۔ (سوز ؎) چار دن قاقم و سنجاب بچھایا تو کیا ۔ آخرش جان مری تودۂ خاکستر ہے ۔ (جرأت ؎) بس چلا کچھ نہ مرا اس بت عیار سے آہ ۔ آخرش لے ہی گیا دل کو وہ عیاری سے ۔ (انشا ؎) آخرش ہو کے جوان پھر تو کسے بہادیگا ۔ چند روز اور ہے جہان یہ گالی دینا ۔

آ رہی عشرت لکھنوی اور قرار شاہجہان پوری فرماتے ہین کہ آگہی کے معنون مین اب یہ غیر مستعمل اور متروک ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ جناب امیر نے آ رہنا کا ذکر امیر اللغات مین فرمایا ہے ۔ استادون کے کلام مین اس کا استعمال ہے ہمارا ذوق اس کے ترک کے خلاف ہے (ناسخ ؎) ہمارے ہاتھ سے دامن جھٹک کر تو گیا جس دم گریبان آ رہا بس ایک ہی جھٹکے مین دامن پر ۔ (ولہ ؎) آ رہی ہے تن پرستی حق پرستی کے عوض ۔ رہ گیا ہے گاؤ خواری سے نشان اسلام کا ۔ جناب امیر نے اس

شعر کے بعد یہ اشارہ فرمایا ہے کہ "اب رنگینی ہے اس جگہ زیادہ بولتے ہین"۔ (مومن ؎) بندگی کام آرہی آخر؟ مین نہ کہتا تھا کیون سلام مرا؟ مؤلف کا ذوق اس کے استعمال کو پسند کرتا ہے

آسان پھرنا عشرت لکھنوی نے اس کو متروک کہا ہے اور فرمایا ہے کہ غیر فصیح ہے اور اس کے عوض (آسمان سے پھرنا) مستعمل ہے۔ مؤلف عرض کرتا ہے کہ استادان معاصرین نے اس کا استعمال کیا ہے جو عشرت سے زیادہ معتبر مانے جاتے ہین اور ہمارا ذاتی ذوق اس کے استعمال کو پسند کرتا ہے (داغ ؎) قاتل نے وقت ذبح لیا جب خدا کا نام؟ خنجر ہمارے حلق پہ آسان پھر گیا؟

آشناؤن عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ دوستون کے معنون مین اس کا استعمال غیر فصیح اور قابل ترک ہے مؤلف عرض کرتا ہے جناب امیر کا رتبہ استادان معاصرین مین عشرت سے بہت بڑھا ہوا ہے اور آپ نے اس کا استعمال فرمایا ہے ہمارا ذوق بھی اسکے موافق ہے (امیر ؎) نہ مجنون سے ہے نہ وامق سے ہے نہ فرہاد؟ مرے سب آشناؤن نے قضا کی؟

آفتاب تیز ہے عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ اب اس کا استعمال متروک اور غیر فصیح اس کی جگہ (آفتاب گرم ہے) مستعمل مؤلف عرض کرتا ہے کہ استاد داغ کے کلام مین اس کا استعمال موجود ہے جن کا درجہ استادان معاصرین مین عشرت سے فائق ہے اور ہمارا ذوق استاد داغ کے موافق (داغ ؎) شام ہونے تو دو چلے جانا؟ ہے ابھی آفتاب تیز بہت؟

آگو قرار شاہجہانپوری فرماتے ہین کہ اب اس کا استعمال متروک ہے اور غیر فصیح اس کے عوض (آگے) کا استعمال ہے۔ جناب امیر نے امیر اللغات مین اس کو ترک فرمایا ہے اور صاحب فرہنگ آصفیہ فرماتے ہین یہ عورتین زیادہ بولتی ہین اور اب یہ لفظ ٹکسال سے باہر ہے۔ مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ شاہ؟ کے کلام مین اس کا استعمال ہے لیکن ہمارا ذاتی ذوق اس لفظ کے خلاف ہے (شاد ؎)

مقابل جیسے خوش چشموں کے ہے تو ، ہرن
آئے تری آنکھوں کے آگے تو ؎

آن پہنچی قرار شاہ جہانپوری فرماتے ہیں کہ اب اس کا استعمال نہیں ہے اس کے عوض (آ پہونچی) مستعمل اور فصیح ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ صاحب فرہنگ آصفیہ نے (آن پہنچنا) کا ذکر فرمایا ہے اور کوئی اشارہ اس کے غیر فصیح ہونے کا نہیں فرمایا (مخزن المحاورات اردو) میں جلال نے (آ پہنچنا) کا مرادف لکھا ہے۔ ذوق کے کلام میں بھی اس کا استعمال ہے اور ہمارے ذوق کے بھی موافق ہے (ذوق سے) آن پہنچی
سر گرداب فنا کشتی عمر ؎ ہر نفس باد مخالف کا ہے جھونکا ہم کو ؎

آنکھ کمال لکھنوی نے فرمایا ہے کہ یہ لفظ بمعنی آگر غیر فصیح اور قابل ترک ہے اور ضیا ے دہلوی نے اس کی تردید کی ہے اور فصیح مانا ہے اور اپنے خیال کی تائید میں نظم لکھنوی (نواب حیدر یار جنگ بہادر) طباطبائی) کے زبانی ارشاد کا حوالہ دیا ہے اور کسی استاد کے کلام سے کوئی سند نہیں دی امیر اللغات اور فرہنگ آصفیہ میں یہ لفظ متروک ہے مؤلف کا ذوق اس کے استعمال کو نہیں پسند کرتا۔

آن کے عشرت لکھنوی اور قرار شاہ جہانپوری فرماتے ہیں اب یہ متروک ہے اور غیر فصیح۔ اس کے جگہ (آ کے) مستعمل ہے صاحب فرہنگ آصفیہ نے اس کو (آ کے) کا مرادف کہا ہے اور کوئی اشارہ غیر فصیح ہونے کا نہیں کیا جناب امیر مینائی نے امیر اللغات میں اسکو قائم نہیں کیا استادوں کے کلام میں اس کا استعمال موجود ہے (میر حسن سے) کہے تو کہ شب چاند نے آن کے ؎ نکالا ہے منہ کہیت سے دہان کے ؎ (نظیر سے) پیش جاتی نہیں ہرگز کوئی تدبیر نظیر ؎ کام جب آن کے پڑتا ہے زبردستوں سے ؎ (سودا سے) ہم تو قفس میں آن کے خاموش ہو رہے ؎ اے ہمصفیر فائدہ ناحق کے شور کا

(مومن سے) غیر عیادت سے بُرا مانتے ۂ قتل
کیا آن کے اچھا کیا مؤلف عرض کرتا ہے
کہ غیر فصیح کہنا غلطی ہے۔ ہمارا ذوق البتہ اس
کے استعمال کو نہین پسند کرتا۔

آوازکی عشرت لکہنوی فرماتے ہین کہ
غیر فصیح اور متروک ہے اس کے عوض آواز
دی مستعمل اور فصیح ہے مؤلف عرض کرتا
ہے کہ استادون نے اس کا استعمال کیا ہے اور
ہمارا ذوق اس کے استعمال کو پسند کرتا ہے
(ناسخ سے) سنسان ہے کیا ہجر مین کا شانہ
ناسخ ۂ بولانہ کوئی مین نے کئی بار کی آواز ۂ

آوے قرار شاہ جہانپوری فرماتے ہین
کہ اب اس کا استعمال نہین ہے۔ اسکے عوض
(آتا ہے) مستعمل کمال لکہنوی نے فرمایا ہے
کہ آوے۔ پاوے۔ رووے۔ سووے۔
وشلہ سب قابل ترک وغیر فصیح ہین ان کے
عوض آئے۔ پائے۔ روئے۔ سوئے فصیح
ہین۔ ضیا دہلوی نے کمال کی رائے کو
تسلیم کیا ہے اور نا انصافی کی جو تصحیح کا عنوان
قائم فرمایا۔ مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ
انشا کے کلام مین اس کا استعمال موجود ہے
مگر ہمارا ذوق کمال کے ساتھ متفق ہے
لیکن یہ ضرور نہین ہے کہ بقول قرار (آئے)
کے عوض (آتا ہے) کو ترجیح دیجائے (انشا
سے) ہاتھ آوے کس کو آپ سے عیار کا
مزاج ۂ ہے انا۔ تون کچھ اور ہی سرکار کا
مزاج ۂ واضح ہو کہ اگر استعمال انشا مین
بجائے (آوے) (آتا ہے) قائم کیا جاتا
تو مقصد اور ذوق زبان کے خلاف ہوتا
(آتا ہے) حال ہے اور (آوے) مضارع
اسکی کوئی وجہ نہین کہ مضارع کے موقع پر
حال کا استعمال فصیح جانین۔ بلکہ ایسا کرنا
غیر فصیح ہوگا۔ اس حد تک ہمارے ذوق
کے بھی موافق ہے کہ آوے کے عوض آئے
کا استعمال ہو۔

آئے ہے قرار شاہ جہانپوری نے فرمایا
ہے کہ اس کا استعمال بجائے (آتا ہے) فصیح
نہین۔ قابل ترک ہے مؤلف عرض کرتا ہے

کہ اگرچہ ذوق کے کلام مین اس کا استعمال
ہے لیکن ہمارا ذوق (آتا ہے) کو پسند کرتا ہی
(ذوق سے) دانہ خرمن ہے ہمین قطرہ ہے
دریا ہم کو ؀ آسکے ہے جز مین نظر کل کا
تماشا ہم کو ؀

الف مقصورہ

ابکی کمال لکھنوی نے فرمایا ہے کہ اسکو بیاے
معروف استعمال کرنا غیر فصیح اور قابل ترک
ہے۔ ضیاے دہلوی فرماتے ہین کہ اس کا
استعمال لفظ مذکر کے ساتھ بیاے مجہول ہوگا
جیسے (ابکے سال) اور لفظ مؤنث کے ساتھ
بیاے معروف جیسے (ابکی بات) (ابکی فصل)
اور جب کوئی لفظ اس کے ساتھ نہ ہو تو بیاے
مجہول جیسے (دیکھیے ابکے کیا ہوتا ہے) اور
(ابکے تو کھو) (داغ سے) داغون سے محبت
کے ہے دل صورت گلشن ؀ ان پھولون کی
اسے داغ بہار آئی ہے ابکے ؀ (تسلیم لکھنوی
سے) کوچے مین ترے ضعف کا یہ زور ہے ابکے
بس جاتے ہین ہم سایۂ دیوار مین دیکھے ؀ جناب
امیر مینائی نے (ابکی) بیاے معروف کو ترک فرمایا ہے
اور (ابکے) بیاے مجہول کو قائم فرما کر لکھا ہی کہ بمعنی
اس تبہ (۱) گزشتہ زمانے کیلئے (۲) موجودہ زمانے کیلئے (۳) آیندہ
زمانے کے لئے (ناسخ سے) ابکے بہار مین
یہ ہوا جوش اے جنون ؀ سارا لہو ہمارے
بدن سے نکل گیا ؀ (آتش سے) ذکر نفیر
آگے اس بت کے بھولتا ہے ؀ ابکے گرہ مین
دو تگا زنار برہمن مین ؀ مؤلف عرض
کرتا ہے کہ غالباً لکھنو کا استعمال دلی کے
خلاف ہے یہی وجہ ہے کہ جناب امیر نے
(ابکی بیاے معروف) قائم ہی نہین فرمایا
اسی طرح جلال لکھنوی نے بھی (سرمایۂ
زبان اردو) مین (ابکے بیاے مجہول) ہی
کو قائم فرمایا ہے اور جناب امیر نے ناسخ کی
سند (ابکے بہار) کو بھی یاے مجہول ہی
سے لکھا ہے ورحالے کہ بقاعدۂ مبینۂ ضیا
اس کی کتابت یاے معروف سے ہونی تھی
الحاصل مؤلف کا ذوق۔ ضیا کے ساتھ
اتفاق کرتا ہے اور کمال کی تردید لازم نہین ہے

اُٹھائیو کمال لکھنوی فرماتے ہیں کہ یہ غیر فصیح ہے اور اب اس کے عوض اٹھاؤ یا اٹھانا مستعمل اور فصیح ہے۔ اسی طرح آئیو۔ جائیو۔ پیجیو۔ دیجیو۔ لیجیو وغیرہ اب متروک ہیں ان کے عوض آؤ یا آنا۔ جاؤ یا جانا۔ پیو یا پینا۔ دو یا دینا۔ لو یا لینا مستعمل ہیں۔ ضیائے دہلوی فرماتے ہیں اُٹھائیو۔ آئیو وغیرہ مخاطب واحد کا محل استعمال ہے جیسے (تو اُٹھائیو) اور جمع مخاطب کے محل پر اُٹھاؤ جیسے (تم اُٹھاؤ۔ تم اُٹھانا) اور روئے سخن کے لئے بہ تعظیمی صیغے جمع کے حکم میں ہیں اگر علامت واحد مخاطب کے محل استعمال کے سب کلمے ترک کر کے اُن کے بدلے ہر جگہ علامت جمع مخاطب کے کلمے مستعمل ہوں گے تو زبان بگڑ جائیگی۔ (الخ) اور آپ نے اپنے خیال کی تائید میں جلال لکھنوی کے کلام کی سند دی ہے (؎) گلہ نہ کیجیو اے دامن شب ہجران ⁂ کہ ہاتھ پہنچ کے گریبان تک دراز کرتے ہیں ⁂ (ولہ ؎) امداد پوری کیجیو اضطراب دل ⁂ جھگڑا نہ کچھ لگا رہے پھر سانس ٹوٹکر ⁂ (ولہ ؎) ہائے اُٹھا ہے ابر کا اٹھون پہر برسات میں ⁂ آبرو رکھ لیجیو اے چشم تر برسات میں ⁂ مؤلف عرض کرتا ہے کہ ہماری یہ رائے ہے کہ قاعدہ بیان کردہ ضیا صحیح ہے اور چونکہ جلال لکھنوی کا استعمال بھی ہے۔ اسکو غیر فصیح نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن ہمارا ذوق کمال لکھنوی کی رائے کو اسلئے پسند کرتا ہے کہ واحد کو بھی تعظیماً جمع سے مخاطب کرنا پسند تہذیب ہے جیسا کہ انگریزی زبان میں (دَو) واحد کے لئے متروک ہے اور (یو) مستعمل باوجودیکہ یو (دَو) کی جمع ہے اپنا اپنا ذوق۔

اُٹھکی ہوئی تقدیر عشرت لکھنوی فرماتے ہیں کہ طالع بلند کے لئے اس کا استعمال اب غیر فصیح اور قابل ترک ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ استاد داغ کے کلام میں اس کا استعمال موجود ہے اور ہماری رائے میں داغ کا مرتبہ عشرت سے فائق ہے پس خواہ مخواہ وسعت زبان کو گھٹانے کی کوئی وجہ نہیں (داغ ؎) گر [illegible] چاہتی ہے اور تو اپنا عروج ⁂ اے قضا مل جا

کسی اٹکی ہوئی تقدیر سے ؎

اخیر قرار شاہ جہان پوری فرماتے ہین کہ اس کا استعمال بمعنی آخر اب نہیں ہے جناب امیر مینائی نے امیر اللغات مین اس کا ذکر فرمایا ہے اور کوئی اشارہ غیر فصاحت کا نہیں فرمایا استادون کے کلام مین اس کا استعمال کثرت سے ہے اور مولف کا ذوق اس کے استعمال کو پسند کرتا ہے (فقرہ مرد مہناری) ساون کا اخیر مہینہ ہے سا لیکن نہ دریا جاری ہوے نہ طوفان آیا (صہبا سے) شراب عیش کدورت مآل ہوتی ہے ؎ اخیر دور مین چلتا ہے جام تلچھٹ کا ؎ (ذوق سے) نہ ہے ثنا کے لئے تیری اختتام و تمام ؎ نہ ہے دعا کے لئے تیری انتہا و اخیر ؎ (قلق سے) عمر بھی اس کی ہو چکی تھی اخیر ؎ بعد دو چار دن کے وہ دلگیر ؎ چمن خلد کا سفیر ہوا ؎ مرغ سدرہ کا ہمصفیر ہوا ؎ (آتش سے) اخیر ہو گئے غفلت مین دن جوانی کے ؎ بہار عمر ہوئی کب خزان نہیں معلوم ؎ (داغ سے) فلک سے طور قیامت کے بن نہ پڑتے تھے ؎ اخیر اب تجھی آشوب روزگار کیا ؎ (ولد سے) ہمارے نالون سے اٹھ اٹھ کے حشر بیٹھ اٹھا ؎ اخیر بیٹھ رہا تھک کے یار کے در پر ؎ (نوا بیا میرزا شوق سے) پاگئی جب قرار یہ تدبیر ؎ آئی نوچندی بھی رجب کی اخیر ؎ جناب امیر نے اس شعر کے بعد یہ اشارہ فرمایا ہے کہ لکھنو مین اس جگہ آخر زیادہ کہتے ہین (داغ سے) تڑپ پھرا ہے دل ناداں کہ لوگ کہتے ہین ؎ اخیر کچھ نہ بنی صبر اختیار کیا ؎

ارمان کمال لکھنوی فرماتے ہین کہ یہ لفظ ہندی ہے اس کا استعمال بعطف و اضافت و اخفاے نون بقاعدہ فارسی غلط ہے منشی سید احمد دہلوی نے اسکو فارسی کہا ہے مولف عرض کرتا ہے کہ ہم نے اپنی تالیف (آصفیۃ اللغات) کی چوتھی جلد مین اس کے ماخذ کا بیان کیا ہے اور اسکو مفرس مانا ہے پس اس کا استعمال اردو مین بقاعدہ عطف و اضافت و باخفاے نون صحیح ہے

اور استادان معاصر سے جلال لکھنوی کا استعمال
بھی موجود ہے (سے) نہ آنا دلمین تم کو لوٹ
لینگے حسرت و ارمان بہکے دیتا ہون مین کچھ
ٹھگ سے بھی اس منزل مین رہتے ہین (ولہ سے)
بوسہ دست حنائی وصل مین جب تک ملے ؛
دل پکارا لو مبارک خون ارمان ہوگیا ؛

آرزو — کمال لکھنوی فرماتے ہین کہ اس کا
استعمال بمعنی (سے) اردو مین غیر فصیح اور
متروک ہے ضیاے دہلوی نے اس کی تردید
کی ہے **مولف** عرض کرتا ہے کہ ہمارا ذوق
ضیاے متفق ہے استادان اردو کے کلام
مین اس کا استعمال کثیر ہے (برق سے)
ہزار حیف کہ بعد از وفات یار آیا ؛ خزان
جب اپنی ہوئی موسم بہار آیا ؛ (ناسخ سے)
شکل انکی دیکھکر ہوتا ہے استغنا مجھے ؛
یہ تخیل اس بہار کے ناسخ کم از حاتم نہین ؛
(جلال سے) مرے جذب کا تم اثر دیکھ
لینا ؛ دل از خود کھنچیگا ادھر دیکھ لینا ؛

اسامی — کمال لکھنوی فرماتے ہین کہ اسکا
استعمال بمعنی مفرد غلط ہے - ضیاے دہلوی
نے اس کی تردید مین فرمایا ہے کہ گو یہ لفظ
عربی مین جمع الجمع ہے - لیکن اردو مین
مفرد کے محل پر مستعمل ہے - اور اسکی جمع
اردو مین اسامیان اور یہ لفظ ہندی کہلائیگا
مولف عرض کرتا ہے کہ جناب امیر مینائی نے
امیر اللغات مین بھی ایسا ہی فرمایا ہے ہم کو
دونون بزرگون سے اتفاق ہے (غالب
سے) حاصل سے ہاتھ دھو بیٹھ اسے آرزو
خرامی ؛ دل جوش گریہ مین ہے ڈوبی ہوئی
اسامی ؛ (ظفر سے) پڑتی ہے رہبر و الفت پہ
نہین انکی نگاہ ؛ ڈھونڈتا کوئی اسامی ہے
وہ رہبر و اونچی (مسرور سے) باقی وارون
مین سب سے نامی ہے ؛ یہ بڑی نامور اسامی
ہے (تقریر امیر) کچھ اسامیان فریادی آئی
ہین ؛؛ **مولف** کو تعجب ہے کہ صاحب فرہنگ آصفیہ
نے اس کو الف ممدودہ کے ساتھ (آسامی)
لکھا ہے اور اسی کلام ظفر سے سند دی ہے
جو اوپر منقول ہے جس کا مصرع ثانی فرہنگ

آصفیہ مین یون لکھا ہے (ع) ڈھونڈتا ہے کوئی آسامی وہ رہنرت اوچکی ؛ دیوان ظفر سے اسی مصرع کی تصدیق ہوئی ہے۔

اُس دلبر کمال لکھنوی فرماتے ہین کہ یہ غیر فصیح اور متروک ہے اسی طرح (اُس دلربا۔ اُس یار۔ اور وہ دلبر وہ دلربا۔ وہ دلدار۔ وہ یار) بھی متروک صرف دلبر دلربا۔ دلدار۔ یار کہنا فصیح ہے۔ ضیاے دہلوی بھی فرماتے ہین اور مؤلف کا ذوق بھی یہی ہے کہ یہ الفاظ اور اس قسم کے دوسرے الفاظ وہ اور اس کے ساتھ ہی زیادہ فصیح ہین اس لئے کہ یہ دونون کلمے ایسے موقع پر تخصیص کے معنے مین آتے ہین۔

اس سوا عشرت لکھنوی اور قرار شاہ جہان پوری فرماتے ہین یہ غیر فصیح ہے بجاے اسکے (اسکے سوا) مستعمل مؤلف عرض کرتا ہے کہ استادون کے کلام مین اس کا استعمال ہے کوئی وجہ نہین کہ ہم اسکو غیر فصیح کہین (ناسخ ؎) مجھکو چھوڑا تو چھوڑ غیر کو بھی ؛ اس سوا اور التماس نہین مؤلف کا ذاتی ذوق البتہ اس کے خلاف ہے۔

اس طرح سے کمال لکھنوی فرماتے ہین یہ مرکب متروک اور اسی طرح (جس طرح سے) بھی غیر فصیح۔ ضیاے دہلوی کو کمال سے اختلاف ہے۔ قرار شاہ جہان پوری اور عشرت لکھنوی نے بھی اسکو متروک قرار دیا ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ داغ مرحوم کے کلام مین اس کا استعمال موجود ہے اور داغ کا پایہ کمال و عشرت و قرار سے فائق ہے اور ہمارا ذوق بھی داغ سے متفق (؎) آئے بھی تو وہ منہ کو چھپائے مرے آگے ؛ اس طرح سے آئے کہ نہ آئے مرے آگے ؛

اس گھڑی کمال لکھنوی فرماتے ہین کہ متروک اور اسی طرح (جس گھڑی) (کس گھڑی) (اُس گھڑی) بھی غیر فصیح انکی جگہ اسوقت۔ جسوقت۔ کسوقت۔ اُسوقت یا اسدم۔ جسدم۔ کسدم۔ اُسدم کا استعمال

کرنا چاہئے ضیا سے دہلوی کو کمال سے اختلاف
ہے آپ کی راے مین یہ سب لفظ حسب موقع
مستعمل ہوسکتے ہین اور اہلزبان نے ان کا
استعمال کیا ہے **مؤلف** کا ذوق بھی ضیا
سے متفق ہے۔

اُسنے سمجھا کمال لکھنوی فرماتے ہین کہ
یہ متروک ہے اسی طرح (تم نے سمجھا) (مینے
سمجھا) (ہم نے سمجھا) یہ بھی غیر فصیح ہین ان
کی جگہ (وہ سمجھا) (تم سمجھے) (مین سمجھا)
(ہم سمجھے) مستعمل ہین ضیا سے دہلوی فرماتے
ہین کہ اہلزبان کے روزمرہ مین سمجھنا کے
مشتقات دونون طرح مستعمل ہین اگر رو سے
قاعدہ تو استعمال نے کے ساتھ ہی ہونا چاہئے
لیکن نظم لکھنوی طبا طبائی سے معلوم ہوا کہ
لکھنؤ مین دونون طرح بولا جاتا ہے **مؤلف**
عرض کرتا ہے کہ صاحب فرہنگ آصفیہ نے بھی
اس مصدر کو لازم اور متعدی کہا ہے ہمارا
ذوق بھی ضیا سے متفق ہے۔

اس نے ہنس دیا عشرت لکھنوی فرماتے ہین
کہ یہ غیر فصیح اور غیر صحیح ہے ہنس دینا مصدر
لازم ہے لہذا وہ ہنس دیا کہنا چاہئے **مؤلف**
عرض کرتا ہے کہ متقدمین نے بعض مصادر
لازم کو دینا کے ساتھ متعدی مانا ہے جیسے
(ہنس دینا) (رو دینا) اُستاد مومن کے
کلام مین (ہنس دینا) کا متعدی استعمال
ہے اور استاد داغ نے (رو دینا) کا استعمال
بھی بطور متعدی فرمایا ہے۔ ہمارا ذوق ان
دونون مسلم الثبوت استادان آخر الذکر کے
ساتھ موافق ہے (مومن سے) دیکھ اشک
لالہ گون رقیب اس نے ہنس دیا ؎ دیکھا
تہ میرے دیدۂ خونبار کی طرف ؎ داغ کی
سند (مقدر نے رو دیا) پر لکھی جائیگی۔

اضافہ کمال لکھنوی فرماتے ہین اس کا
استعمال بمعنی افزونی غلط ہے۔ ضیا سے
دہلوی کو کمال سے اختلاف ہے **مؤلف**
عرض کرتا ہے کہ ہم نے اپنی تالیف (آصف
اللغات) کی جلد پنجم مین اس کا تصفیہ کیا ہے
کہ فارسیون کا استعمال بمعنی افزائش بر یل

اتفرمیں سے جناب امیر مینائی نے امیر اللغات
مین فرمایا ہے عربی بمعنی پیشی ترقی جیسے
کانون کے ٹھیکے مین اسکے دو سو کا اضافہ ہوا
ہے پس مولف کو جناب امیر سے اتفاق ہے اور
کمال لکھنوی سے خلاف ہے۔

افتاد کمال لکھنوی فرماتے ہین یہ لفظ
فارسی مین بمعنی حادثہ مستعمل نہین ہے پس
ان معنون مین ہٹنا ہے ضیا ئے دہلوی فرماتے
ہین کہ فارسی مین اسکے معنے واقع ہونے کے
ہین پس بمعنی حادثہ مجاز ہے مولف عرض
کرتا ہے کہ افتاد بمعنی حادثہ اور سانحہ افتادن
کا اسم مصدر ہے (غفاری سے) شد دل اندر
عاشقی جان ہم فدایش می رود ؎ این چہ
افتاد است کافتاد است یارب بر سرم ؎
اب ضیائے دہلوی غور فرمائین کہ یہ معنے مجازاً
ہین یا حقیقی جناب امیر مینائی نے امیر اللغات
مین فرمایا ہے کہ (فارسی) بمعنی اتفاقیہ سانحہ
(نواب میرزا شوق سے) نہین معلوم کیا پڑی
افتاد ؎ جو فراموش کی ہماری یاد ؎ (سحر سے)

گرتے ہین کوہ الم اور فلک ٹوٹتے ہین ؎ ایسی
ہی ہوتی ہے اس عشق کی افتاد آیا ؎ صاحب
فرہنگ آصفیہ نے بمعنی روداد حادثہ کہا ہے
اور بمعنی اتفاق ہماری راے مین ان معنون
مین ہٹنا نہین ہے بلکہ زبان فارسی کا اسم
جامد ہے لیکن اردو مین اس کا استعمال بمعنی
آغاز و ابتدا جو ہوا ہے اس کے لحاظ سے بھی
یہ ہٹنا نہین ہے بلکہ (اردو) ہے اردیکھو
تصغیر کی تعریف جو (حیوۃ العزیز) کے گیارہوین
باب مین گزری (فقرہ ثبات النقش) تم جاہو
تو انکی افتاد کو ایسا بگاڑ دو کہ جون جون بڑے
ہون خرابی سکے لچھن سیکھتے جائین ؎ الحاصل
ہم کو کمال سے اتفاق نہین۔

افسوس عشرت لکھنوی فرماتے ہین
کہ اردو مین اس کا استعمال فافوس اور
مانوس کے قافیے مین قابل ترک ہے مولف
عرض کرتا ہے کہ اگرچہ استادان زبان اردو
کے کلام مین ایسا استعمال ہے لیکن ہمارا ذوق
عشرت سے متفق ہے (ناسخ سے) کہل گیا

پیرہن مین جسم مجھ مایوس کا ۞ ایک عالم کو
گمان ہے شمع اور فانوس کا ۞ گل نہین جز
داغ حسرت بوستان دہر مین ۞ طور ہر برگ
شجر مین ہے کف افسوس کا ۞

افشان کمال لکھنوی فرماتے ہین کہ افشان
ریزہ ہاے جبین معشوق کے معنون مین یہ
لفظ غلط ہے اس لئے کہ فارسی مین ان
معنون مین مستعمل نہین ہے۔ ضیاے
دہلوی نے کمال کی تردید کی ہے اور افشان
کو ان معنون مین لغت فارسی مانا ہے مولف
عرض کرتا ہے کہ ہماری تحقیق مین جو اپنی تالیف
(آصف اللغات) مین گزری یہ مزید علیہ ہے
فشان کا اور فشان اسم مصدر ہے فشاندن
کا اور فارسی مین انھین معنون مین اس کا
استعمال ہے جس کا ذکر اوپر ہوا (محمد رضا
فکری سے) گل گل عرق کہ بر رخ پر خال
کردہ ۞ افشان نقرہ بر ورق آل کردہ ۞
شعراے معاصر اردو سے جلال لکھنوی نے
بترکیب اضافی اس کا استعمال کیا ہے تمالبا

آپ اسکی حقیقت سے واقف ہونگے۔

اک اشکال ہے عشرت لکھنوی فرماتے
ہین کہ یہ غیر صحیح ہے اور استاد داغ کے شعر
ذیل مین (لکیرین جال ہے) کا استعمال بھی
درست نہین ہے (لکیرین جال ہین) کہنا
چاہیئے (داغ سے) بد نصیبی کو نکلنا اس سے
اک اشکال ہے ۞ میرے ماتھے کی لکیرین
کس بلا کا جال ہے ۞ مولف عرض کرتا ہے
کہ اشکال زبان عرب مین بمعنی دشواری و
دشوار مستعمل ہے اور اردو مین بھی اس کا
استعمال انھین معنون مین ہے (ناصر سے)
رحمت خدا کی ہم پر کیا کہیے کس قدر تھی ۞ آسان
ہو گیا جو اشکال پیش آیا ۞ پس استاد داغ کا
مستعملہ فقرہ (اک اشکال ہے) کیون غلط ٹھہرا
اور مصرع ثانی مین جو اصلاح فرمائی گئی ہے
وہ قابل غور ہے۔ استاد داغ فرماتے ہین
کہ میرے ماتھے کی لکیرین کیا ہین گویا بلا کا ایک
جال ہے اور اس بات سے بد نصیبی کو نکلنا دشوار
ہے اب معزز ناظرین خود اس کا تصفیہ فرمائین

* اسکی پیشانی تابندہ کا عالم شب وصل ۞ کٹ گئے دیکھ کے انجم زر افشان

کہ استاد داغ کی غلطی ہے یا عشرت نے غور سے
کام نہیں لیا۔

اگری کمال لکھنوی فرماتے ہیں کہ اگری بر
وزن اجنبی غلط اور اگری بر وزن سحری صحیح
نہیں ہے دہلی کے کہتے ہیں اگر ہندی ہے
ہندی میں فارسی قاعدہ قائم کرنا ہر جگہ
درست نہیں پس اگری بر وزن سحری خلاف
محاورہ ہے (آپ ہی کا قول ہے کہ) لکھنؤ
میں اگری بر وزن سحری مستعمل نہیں ہے بلکہ
اگری بر وزن اجنبی کا استعمال ہے مؤلف
عرض کرتا ہے اگر لغت سنسکرت ہے اور مفرس
(دیکھو آصف اللغات مؤلفہ بندہ) اس لحاظ
سے فارسی میں اس کا استعمال بہ لحاظ نسبت
صحیح ہے لیکن اردو میں اسکی پیروی لازم
نہیں صاحب فرہنگ آصفیہ نے اگری
بر وزن اجنبی قائم فرمایا ہے اور صراحت کی
ہے کہ دہلی میں بر وزن سحری مستعمل نہیں اور
رند مرحوم کی سند دی ہے (شعر) اگری کا کہ
گمان شک ہے ملاگیری کا نہ رنگ لایا ہے
اور پٹہ ترا میلا ہو کر ۔ آپ ہی کا قول ہے کہ
اردو میں کلمہ دلی برابر نسبت کے واسطے
آتا ہے اور ہمزہ کے بغیر اس کا تلفظ ادا
نہیں ہو سکتا ہے (انتہی) جناب امیر نے امیر اللغات
میں اسکو اگری بر وزن سحری قائم فرمایا ہے
اور رند کے شعر مذکور کی سند دی ہے جس
میں اگری کو بفتح اول و دوم پڑھنے سے
بحر میں کوئی نقصان واقع نہیں ہوتا اور
مصحفی کی بھی سند دی ہے (شعر) کیونکر نہ
مرے داغوں سے بو آئے اگری کی وہ میں شمع
ہوں اسکے لباس اگری کا پیر فرمایا ہے
کہ میر حسن نے بسکون کاف فارسی بھی استعمال
کیا ہے (شعر) وہ پشواز اگری وہ نرگس کا
ہار وہ کمخواب کی سندروی ازار وہ آخر پر آپ
فرماتے ہیں کہ بعض لوگ غلطی سے اگری
چٹنی کے وزن پر بولتے ہیں (انتہی) اب
مؤلف عرض کرتا ہے کہ لکھنؤ کا استعمال
صحیح اور مفرس ہوا اور دلی کا استعمال اگری
بر وزن برتری اور میر حسن کا استعمال اگری

بروزن صرفی دونون مین یہ لفظ مشدد ہے
اس لیئے کہ تفریس مین تصرف ہوا ہے پس
اس لفظ کو ہندی خیال فرمانا صحیح نہین ہے۔

اگلانا عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ یہ
غیر فصیح اور غیر صحیح ہے آپ اگلوانا کو صحیح مانتے
ہین۔ امیر اللغات اور فرہنگ آصفیہ دونون
مین اگلانا۔ اگلوانا دونون متروک ہین صرف
اگلنا پر قناعت ہوئی ہے مؤلف عرض
کرتا ہے کہ اگلنا متعدی بیک مفعول اور
اگلانا۔ اگلوانا دونون متعدی بدو مفعول
اور صحیح ہین۔ آتش نے اگلانا کا استعمال
فرمایا ہے (س) ہے یہ اُمید تو ہی زلف رسا کے
یار سے ؎ پیچ پیچ پیسنے مجھہ سے اگلائے ربان
یار سے ؎ شعرائے معاصرے بعض نے
اگلوانا کو بہتر سمجھا ہے مگر صرف اون کا خیال
ہے استادان معاصر کا کوئی اتفاق ہمارے
نظر سے نہین گزرا ہم دونون کو فصیح سمجھتے
ہین اور ہمارا ذاتی ذوق اگلوانا کے استعمال
کو پسند کرتا ہے۔

اللہ اللہ رے کمال لکھنوی فرماتے
ہین اب یہ تکرار اللہ متروک ہے۔ ضیاے
دہلوی نے تردیدی شان پر بحث کی ہے اور استادان
کے استعمال کا حوالہ دیا ہے۔ صاحب فرہنگ آصفیہ
نے صرف (اللہ رے) کو قائم فرمایا ہے لیکن جناب
امیر مینائی امیر اللغات مین (اللہ اللہ رے)
کو قائم کرکے فرماتے ہین کہ مبالغہ کی جگہ کہتے ہین
اور اب لکھنؤ مین صرف (اللہ رے) کہتے ہین (انتہی)
(داغ ؎) اللہ اللہ رے پریشانی مری ؎
زلف جانان بھی ہے دیوانی مری ؎ (جرأت
؎) اللہ اللہ رے اس پردہ نشین کا پردہ ؎
آسمان کا ہے نہ جس سے نہ زمین کا پردہ ؎
(میر تقی دہلوی ؎) میر دریا ہے سنو اس کی
زبانی اسکی ؎ اللہ اللہ رے طبیعت کی روانی
اسکی ؎ مؤلف عرض کرتا ہے کہ صاف بات
یہ ہے کہ معاصرین لکھنؤ بغیر تکرار استعمال کرتے
ہین اور دلی والے تکرار کے ساتھہ اور ہمارا ذوق
دونون طرح ہے۔ کمال لکھنوی کا قول اس کا مستحق
نہ تھا کہ اسکی تردید یا تصحیح کیجائے اپنا اپنا ذوق ہے

المضاف | عشرت لکھنوی فرماتے ہین
کہ اس کو میمین کی تخفیف کے ساتھ استعمال کرنا
بالکل غلط ہے جیسا کہ آتش نے کیا ہے (سہ)
زہر پر زہر ہو گیا مجکو ٭ درد درمان سے المضاف
ہوا ٭ **مؤلف** عرض کرتا ہے کہ اگر آتش کو
استاد زبان مانتے ہون تو انکی اس سند پر یہ
کہہ سکتے ہین کہ المضاف بمعنی المضاعف اردو
کا لغت ہے جیسا کہ (قرنبیق) بمعنی قرع
انبیق) اردو مین مستعمل جسکی بحث فرہنگ
آصفیہ مین ہے یہ رنگ کبھی پسندیدہ نہین
ہے کہ اردو کے الفاظ کا مقابلہ عربی اور
فارسی وغیرہ سے کرکے اونکو غلط ٹھہرائین
صدہا الفاظ زبان اردو مین ایسے ہین جنکو
اہل زبان نے السنۂ غیر سے لیا ہے اور تصرف
کیا ہے۔ اگر استادان معاصر بالاتفاق ان
سب الفاظ کو اپنی زبان سے خارج کردینا پسند
کرین اور کامیاب ہون تو اونکے ساتھ المضاف
بھی رخصت ہوسکتا ہے۔ اور قرنبیق کا بھی
ستہ کالا۔ اور پھر (مرگ انبوہ جشنے دارد)
کا مصداق ہوگا۔ ہماری راے مین آتش کا
استعمال کبھی غلط نہین۔

النگ | عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ اب
یہ غیر فصیح اور متروک ہے اس کے عوض
طرف کا استعمال ہے **مؤلف** عرض کرتا ہے
کہ ناسخ کے کلام مین اس کا استعمال ہے (سہ)
آئینہ خانۂ دل حیران ہے کیا وسیع ٭ سد سکندر
ایک اسی کی النگ ہے ٭ جناب امیر مینائی
نے امیر اللغات مین اس کا ذکر فرمایا ہے
اور کوئی اشارہ اس کے غیر فصیح ہونے
کا نہین فرمایا۔ صاحب فرہنگ آصفیہ نے
(النگ اور النگ پر آنا) کا ذکر فرمایا ہے
اگرچہ ہمارا ذوق بھی اس کے استعمال کو پسند
نہین کرتا لیکن ہم اس کو غیر فصیح نہین سمجھتے۔

انتظاری | کمال لکھنوی فرماتے ہین
کہ یہ غلط ہے اور انتظار صحیح۔ ضیاے دہلوی
کہتے ہین کہ کبھی غلط نہین صحیح ہے لیکن شعراے
اردو نے ترک کیا ہے اور غالب مرحوم نے
(شعر وہندی) مین فرمایا ہے کہ مین نے آج

تک اردو مین انتظاری بمعنی انتظار نہ آپ لکھا اور نہ اپنے شاگردون کو لکھنے دیا (انتہی) جناب امیر مینائی نے امیر اللغات مین اسکو قائم فرما کر ارشاد فرمایا ہے کہ یہ لفظ محققین متاخرین کے کلام مین بہت کم دیکھا گیا۔ اس کا ترک مستحسن ہے **مؤلف** عرض کرتا ہے کہ میر انیس مرحوم جو لکھنو کے فصحاے معاصر سے تھے۔ آپ نے اس کا استعمال فرمایا ہے (س) فاطمہ آچکی ہین مجلس مین ۔ اب کہو کس کی انتظاری ہے ۔ میرزا والا جاہ عاشق کے کلام مین بھی مستعمل ہے (س) مار ڈالا انتظاری نے ہمین اے میکشو دو روز مین ۔ انتظاری فصل گل کی انتظاری ابر کی ۔ قدما سے کلام میر مین بھی اس کا استعمال ہے (س) سر راہ چند انتظاری رہے ۔ بھلا کب تلک بیقراری رہے ۔ ہمارا ذاتی ذوق اس کے موافق ہے۔

اندر | عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ اسکا استعمال بمعنی (مین) اب متروک ہے اس محل پہ مین بولتے ہین البتہ بعض موقع پر فصیح بھی ہے جیسے (اندر سے پان لے آؤ) یا (اندر ہی اندر غائب ہو گئے) یا (اندر آؤ باہر کیون کھڑے ہو) یا عورتین کہتی ہین (اندر والا نھین مانتا) یعنی دل نھین مانتا **مؤلف** عرض کرتا ہے کہ آتش کے کلام مین اس کا استعمال بمعنی مین بھی ہوا ہے ہمارا ذوق اس کے ترک کو نھین پسند کرتا (س) کیا انتظار یار کی حالت بیان کرون ۔ رہتی ہے جان آنکھون کے اندر تمام رات ۔

اندر باہر لگے ہوئے ہین | عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ اس مین پہلو سے ذم ہے لہذا قابل ترک **مؤلف** عرض کرتا ہے کہ ہم کو اس سے اختلاف ہے چونکہ جناب امیر مینائی کے کلام مین اس کا استعمال موجود ہے جو مسلم الثبوت استاد معاصر اور فصیح الکلام تھے لہذا اسکے فصیح ہونے مین ذرا تامل نہین اور ہمارا ذوق بھی اس کے استعمال کا طرفدار ہے کوئی پہلو ذم کا اس مین نھین ہے (س) کیا حال دل سناؤن جو اسوس اس پہ ہی گئے

اندر لگے ہوئے ہین باہر لگے ہوئے ہین ؛

اندہیاری عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ اس کا استعمال اب متروک اور اندہیری کا استعمال ہے جناب امیر مینائی نے امیر اللغات مین صرف اسقدر صراحت کی ہے کہ اسکی جگہ اندہیری زیادہ مستعمل ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ اپنا اپنا ذوق ہے اندہیاری کبھی غیر فصیح نہین ہے متعدد استادون کے کلام مین اس کا استعمال ہے ہمارا ذوق بھی اس کے استعمال کو پسند کرتا ہے (ناسخ ؎) شہسواری کا جو اس چاند کے ٹکڑے کو ہے شوق ؛ چاندنی نام ہے شبدیز کی اندہیاری کا ؛ (منیر ؎) گرد راہ سمند خاص ؛ نقرہ صبح کی ہے اندہیاری ؛

اندہیاریان عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ اس کا استعمال بمعنی جمع اندہیاری غیر فصیح ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ آتش کے کلام مین اس کا استعمال ہے غیر فصیح کیون ہونے چلا۔ البتہ ہمارا ذوق ذاتی اس کے خلاف ہے (آتش ؎) آئے خط اس کے گورے گالون پر یہ تو نے کیا کیا ؛ چاندنی راتین یکایک ہو گئین اندہیاریان ؛

انکھڑیان عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ اب بول چال مین نہین ہے بلکہ آنکھ کی جمع آنکھین مستعمل ہین جناب امیر مینائی نے امیر اللغات مین اس کا ذکر فرمایا ہے اور ترک کا کوئی اشارہ نہین ہوا بلکہ یہ صراحت ہے کہ پیار سے معشوق کی آنکھون کو کہتے ہین مؤلف عرض کرتا ہے کہ آنکھون مین انکھڑیون کی تخصیص معشوقی کا لطف کہان ہے جو پیار سے متعلق ہے متعدد استادان سلف اور معاصر کے کلام مین اس کا استعمال موجود اور ہمارے ذوق کے موافق ہے (آتش ؎) ان انکھڑیون مین اگر نشہ شراب آیا ؛ سلام جھک کے کرونگا جو پھر حجاب آیا ؛ (قلق ؎) انکھڑیاں ٹھہری لگاوٹ باز ؛ دلربا بات بات کا انداز ؛ (سودا ؎) خیال ان انکھڑیونکا چھوڑ مت مرنے کے بعد بھی

ولا آیا جو تو اس میکدے مین جام لیتا جا (جلال
سے) اپنی شوخ آنکھڑیون مین کچھ تو حجاب آنے
دو ❊ راہ پر آئین جو یہ خانہ خراب آنے دو ❊

انگریز عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ یہ تشدید
کاف فارسی غیر فصیح و بالف ممدودہ غیر صحیح بلکہ
بروزن زنگریز فصیح صاحب فرہنگ آصفیہ نے
بدون تشدید و ممدودہ لکھا ہے اور جناب امیر
مینائی نے امیر اللغات مین فرمایا ہے کہ زبانون
پر بروزن مفعول ہے بعضون نے فاعلان کے
وزن پر کہا ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ اسکا
استعمال الف ممدودہ کے ساتھ البتہ ہماری نظر کے
نہین گزرا اور کسی صاحب لغت نے بھی نہین
لکھا لیکن تشدید کاف فارسی کے ساتھ جب
بعض مسلم الثبوت استادون کے کلام مین مستعمل
ہے تو غیر فصیح کیون کر ہونے چلا۔ اردو کا لفظ ہے
جس کی صحت اور فصاحت دونون کا معیار
استادان فصیح البیان کا استعمال ہے البتہ ہمارا
ذوق تشدید اور ممدودہ کے خلاف ہے (زند
سے) کھینچکر لائینگے تری تصویر انگریزون
تیری شہرت ہے ❊ (آتش سے) دل ملک انگریز
مین جینے سے تنگ ہے ❊ قید حیات بھی مجھے
قید فرنگ ہے ❊

اُن نے قرار شاہجہانپوری فرماتے ہین
اب یہ متروک ہے اور اس کی جگہ اُس نے مستعمل
مؤلف عرض کرتا ہے کہ صاحبان لغت بھی
اس سے ساکت ہین۔ اگرچہ میر کے کلام مین اس
کا استعمال موجود ہے اور اس کے صحیح اور فصیح
ہونے مین کلام نہین لیکن ہمارا ذوق اس
کے استعمال کے خلاف ہے۔ اپنا اپنا ذوق
جو شعرا میر کے رنگ پر لکھنا چاہین اون کو اختیار
ہے (میر سے) میر کے دین و مذہب کو اب
پوچھتے کیا ہو اُن نے تو ❊ قشقہ کھینچا دیر مین
بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا ❊

انھون کی قرار شاہجہانپوری فرماتے
ہین کہ اب اس کا استعمال نہین اس کے عوض
اُن کی مستعمل ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ
سودا کے کلام مین اس کا استعمال ہے اور اس
کے صحیح اور فصیح ہونے مین کلام نہین لیکن ہمارا

ذوق اسکو نھین پسند کرتا (سوداؔ سہ) امیر
اب جو ہین دانا انھون کی ہیگی چال ؎ ہو رہے
ہین خانہ نشین دیکھکر زمانے کا حال ؎

اوپر کمالؔ لکھنوی اور قرار شاہ جھانپوری
فرماتے ہین یہ اب متروک ہے اور پر مستعمل ہے پر
کی جگہ اوپر لانا غیر فصیح ہے جیسے (دل کے اوپر)
(دکھنے کے اوپر (ہے) وہ ہین خندہ زن چشم
گریان کے اوپر) ضیاؔ سے دہلوی نے ایراد و لسانی
کے ساتھ اسکی تردید کی ہے۔ عشرتؔ لکھنوی
نے فرمایا ہے اب پر کا استعمال فصیح ہے مگر بعض
مواقع پر (اوپر) بھی فصیح ہے جیسے (اوپر چلے
آؤ) (اوپر دیکھو) (آداوپر نھین جاسکی) (اوپر
والا) قرار شاہجہانپوری نے کہا ہے اوپر
بمعنی پھلے۔ اب متروک ہے۔ جناب امیرؔ مینائی نے
امیر اللغات مین اس کا استعمال (۲) معنون مین
دکھلایا ہے اور اوپر بمعنی پر کی نسبت فرمایا ہے
کہ ان معنون مین اب اس جگہ پر زیادہ فصیح ہے
مؤلف عرض کرتا ہے کہ اسوقت ہم کو اسی کا
تصفیہ کرنا ہے اور اسی کے ساتھ قول قرار کا
بھی واضح ہو کہ اوپر بمعنی پر کا استعمال شعرائے
ذیل نے کیا ہے (آتشؔ سہ) ہے یار فرش
گل مری آنکھون مین خار تھا ؎ لوٹا کیا مین کانٹون
کے اوپر تمام رات ؎ (کیفؔ سہ) داغ دل
میرا وہ سورج ہے کہ جس کے اوپر ؎ انگلیان
سیکڑون اٹھتی ہین کرن کی صورت ؎ ہمارا ذوق
باتفاق کمالؔ و جناب امیرؔ اس کے خلاف ہے
ہم اس موقع پر پر ہی کا استعمال پسند کرتے
ہین اور کلام آتشؔ و کیفؔ کو فصیح مانتے ہین
اپنا اپنا ذوق ہے۔ بلحاظ قول قرارؔ ہم عرض
کرتے ہین۔ اوپر بمعنی پھلے امیر اللغات مین ہے
اور جناب امیرؔ نے کوئی اشارہ اس کے متعلق
نھین فرمایا ہے اور فقرۂ ذیل کی سند دی ہے
(وہو ہذا) مین جو کچھ اوپر لکھ چکا ہون اب اس
کے دُہرانے کی ضرورت نھین سمجھتا۔ جلالؔ
لکھنوی نے بھی اس کا استعمال کیا ہے (سہ)
یہ قیس و وامق و فرہاد کے سب افسانے ؎
گزر چکے ہین مری داستان سے اوپر ؎ ہم کو
اس کا استعمال ان معنون مین پسند ہے اور

قرار سے اتفاق نہیں۔

اور — عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ اس کا استعمال بروزن فع متروک ہے استاد داغ نے (جناب داغ) کے آخر پر اشارہ فرمایا ہے کہ آپ نے اس دیوان مین اسکو ترک کیا ہے لیکن شاگردون کو اختیار ہے کہ استعمال کرین یا ترک ضیاے دہلوی نے بجواب کمال لکھنوی فرمایا ہے کہ پہلے مرزا رفیع سودا نے اس کے استعمال کو برا سمجھکر میر تقی دہلوی کے کلام پر اعتراض کیا اور داغ مغفور نے اپنے ذاتی متروکات مین قرار دیا لیکن جناب امیر مینائی نے امیر اللغات مین اسکا استعمال ۱۴ معنون مین دکھلایا ہے اور فرماتے ہین کہ بعض معنون مین کبھی فاع اور کبھی کبھی فع کے وزن پر آتا ہے مگر بمعنی مگر فع ہی کے وزن پر خوبصورت اور زیادہ مستعمل ہے۔ اور بمعنی زیادہ۔ دیگر۔ غیر۔ نیا۔ علاقہ۔ طرف۔ پھر فاع ہی کے وزن پر استعمال مین ہے نیاز فرہنگ آصفیہ نے وزن فع اور فاع کے متعلق کوئی بحث نہین کی ہے مؤلف صفحہ کرتا ہے ہمارا ذوق جناب امیر مینائی کی صراحت سے متفق ہے۔ بلکہ کل معنون مین دونون طرح استعمال کی جانب مائل ہے۔ اپنا اپنا ذوق اور اس آخری ذوق کا تعلق استاد داغ کے اس اختیار سے ہے جو اپنے شاگردون کو دیا ہے (میرؔ) روایت ہے انہیں سوا اور کچھ اوپر ؏ دیئے ڈال رومال سے سب زینت پر ؏ (ثاقبؔ) وہ تماشا اور وہ انداز اور وہ موزونی کمان ؏ راستی سے سرو اوس قدر کے برابر ہوگیا ؏ (صباؔ) چاندنی کی سیر اور نہرون کے ساتھ ؏ اسے قمریہ کیا طریقہ ہوگیا ؏ (جلالؔ) نزدیک بزم بادہ اور وعظ کا از ؏ کہار و نہ بس زیادہ تصحیح مین آئے واعظ ؏ (ولہؔ) گزرے یون اپنی شب وصل کے جھگڑے تا صبح ؏ دست کوتاہ مین اور حوصلہ کم مین رہے ؏

الہیان — کمال لکھنوی نے اس کے عوض استعمال آہالی کی ہدایت کی ہے اور فرمایا ہے کہ الہیان غلط ہے اسکو ترک کرنا چاہیے ضیاے دہلوی کی تصحیح کا ماحصل یہ ہے کہ ترک سے

نہیں **مؤلف** عرض کرتا ہے کہ اہالی زبان عرب میں اہل کی جمع۔ فارسی میں اس کا استعمال ہماری نظر سے نہیں گزرا اور نہ اہالیان کا استعمال فارسی میں پایا گیا۔ جناب امیر مینائی نے امیر اللغات میں اور محقق دہلوی نے فرہنگ آصفیہ میں صرف (اہالی موالی) کو قائم فرمایا ہے اور اہالی اور اہالیان کو ترک۔ ایسی حالت میں انصاف یہ ہے کہ ہم کمال لکھنوی کی ہدایت کو صحیح مانیں۔ اگر اردو میں اہالیان کا استعمال استادان معاصر کے کلام میں پایا جائے تو ہم اس سے سند لینگے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ کمال لکھنوی کو بھی کوئی استعمال نظر نہ آیا۔ آپ نے بطور حفظ ماتقدم اس کی حقیقت بیان کر دی ہے اور ترک کی ہدایت کی ہے۔ الحاصل ہماری تحقیق میں اہالیان نہ متروک ہے اور نہ جدید اور ہمارا ذاتی ذوق بھی اس کے استعمال کی اجازت نہیں دیتا۔

اہل کمال لکھنوی کا ارشاد اس کے متعلق دو طرح پر ہے (الف) اہل بمعنی صاحب حالت اضافت میں اس کی ضمیر کا مفرد کی طرف پھیرنا قابل ترک ہے باستثنائے (اہل دل) اور جمع کی جانب پھیرنا صحیح ہے جیسے (وہ سب اہل دل ہیں) لیکن حالت اضافت میں تعظیماً اہل کی ضمیر مفرد کی طرف بھی پھیر سکتے ہیں جیسے "وہ اہل علم ہیں" ضیائے دہلوی فرماتے ہیں کہ اگر اہل کا استعمال مفرد کے لئے نہیں ہے تو دل کے ساتھ استثنا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ آپکا قول فیصل یہ ہے کہ اہل کا استعمال مفرد اور جمع دونوں کے واسطے ہوتا ہے۔ (الخ) **مؤلف** عرض کرتا ہے کہ اہل زبان عربی کا لغت ہے بمعنی سزاوار و کسان و مردم خانہ صاحب تحقیق الاصطلاحات نے کہا ہے اطلاق آن بر جمع و مفرد ہر دو آمدہ فارسیوں نے بحالت ترکیب اس کو معنی جمع میں استعمال کیا ہے جیسے اہل ایمان۔ اہل بابل۔ اہل بتخانہ۔ جناب امیر مینائی نے امیر اللغات میں فرمایا ہے کہ اہل لغت عرب ہے اور اردو میں بمعنی (۱) صاحب۔ خداوند (۲) لائق اور

صلاحیت رکھنے والا اور (۳) خلیق۔ شائستہ کے معنوں میں مستعمل پھر آپ بطور حاشیہ فرماتے ہیں کہ بمعنی اوّل جمع کے لئے مخصوص ہے یہ لکھیں گے (فلاں شخص اہل قلم ہے) یا (اہل علم ہے) بلکہ ایک ایسا شخص کی نسبت کہنا ہوگا تو لکھیں گے (وہ اہل قلم میں سے ہے) (نظیر ۱) تو فاتحے کو آیا ہے یا ہو گیا قیامت پہ رستا ہی دیکھتے تھے اہل قبور تیرا (قصر ۹ امیر) جو شخص جس چیز کا اہل ہی نہ ہو وہ اسکی کیا قدر کرے (ایضاً ۳) افسوس ہے کہ اسکی اولاً میں کوئی اہل ہی نہیں (انتہی) واضح ہو کہ جناب امیر نے اہل کو (بحالت اضافت و بہ تخصیص معنی اوّل) جمع سے مخصوص کیا ہے اور کمال نے صرف (اہل دل) کو اس قاعدے سے مستثنےٰ کیا ہے اور ضیا کو نہ صرف کمال سے بلکہ جناب امیر کی راے سے بھی اختلاف ہے ہمارا خیال ہے کہ اہل بمعنی اوّل جمع ہی سے مخصوص ہے اور صرف چند الفاظ کا استثنار جیسے (اہل دل) (اہل خانہ) (اہل کار) (اہل مد) اس تخصیص کو باطل نہیں کر سکتا اور فارسی استعمال کا بھی یہی رنگ ہے یعنی اہل کی تخصیص بحالت اضافت جمع ہی سے ہے لیکن بعض الفاظ اس قاعدے سے مستثنےٰ ہیں جس کی صراحت ہم نے اپنی تالیف (آصف اللغات) میں بذیل لفظ اہل کر دی ہے۔

(ب) کمال لکھنوی فرماتے ہیں کہ اہل بمعنی نیک عربی ہے پس اس کی اضافت کسی دوسرے لفظ کی طرف کرنا غلط ہے۔ ضیا سے دہلوی نے فرمایا ہے کہ نیک اور لائق اور سزاوار کے معنوں میں عربی اور فارسی میں بھی مستعمل ہے۔ لہٰذا اضافت غلط نہیں ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ عربی اور فارسی میں بمعنی نیک اس کا استعمال نہیں ہے اور ہمارا تو یہ خیال ہے کہ اردو میں بھی ان معنوں میں دیکھا نہیں گیا۔ جناب امیر مینائی نے بھی امیر اللغات میں بمعنی نیک نہیں لکھا جب تک ان معنوں کی سند پیش نہ ہو گی مؤلف تسلیم نہیں کر سکتا۔ ضیاے دہلوی نے اس ترکیب اضافی کی صحت کا جو ادعا فرمایا ہے ہم اس کی ایک سند استعمال کم سے کم آپ ہی کے کلام سے چاہتے ہیں معلوم ایسا ہوتا ہے کہ غالباً آپ نے

اس مسئلہ پر غور سے کام نہیں لیا ہے۔

اے بلبلو قمر شاہجہانپوری فرماتے ہیں کہ اب یہ متروک ہے اسکے عوض صرف بلبلو کا استعمال فصیح ہے **مؤلف** عرض کرتا ہے کہ فصحائے زبان کا استعمال موجود ہے جس کے مقابلہ میں ہمارا دل آپ کے اس مجرد ارشاد کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ (شاد ست) وہ محرم آب رواں کی کرے جو

دل پانی پانی ہو چناب وار تم اے بلبلو بھر لینا

ایجان کمال لکھنوی فرماتے ہیں اسکا استعمال باختلاف نون متروک ہے۔ اور اسی طرح (مرسجان) میں بھی اسلئے کہ ان دونوں میں لفظ جان ہندی ہے نہ فارسی۔ ضیائے دہلوی نے اسکی تردید کی ہے اور حافظ شیراز کی سند دی ہے (ست) دریا وقت چو حافظ ایجان بحسن تو بود وسد غلام دارد استاد دہلوی نے اس ایک مثال حافظ اور اسی کی مثال دوسرے امثال فارسی سے غالباً یہ سمجھ لیا کہ کامیاب ہو گئے لیکن آپ نے یہ جو لکھا ہے کہ فارسی میں لفظ جان استعارہ ہے معشوق سے اگرچہ صحیح ہے لیکن آپ کو لازم تھا کہ اس کی مثال پیش کر کے اس نازک بحث کا تصفیہ فرماتے اسلئے کہ لغات اور فرہنگ ہائے فارسی نے ان مجازی معنوں سے سکوت کیا ہے اور محقق دہلوی یعنی صاحب فرہنگ آصفیہ نے جان کو بمعنی معشوق غالباً از روئے اردو سمجھا ہے کیا عجیب ہے کہ کمال لکھنوی کو یہ خیال گزرا ہو کہ ان معنوں میں جان کا استعمال فارسی نہیں **مؤلف** حقیر نے حیوۃ العزیز کے گیارہویں باب میں اس مسئلہ کی کامل بحث کی ہے اور شعرائے فارسی کی سند دی ہے اور فرہنگ ہائے فارسی کے سکوت کا اظہار کیا ہے اور اس کا فیصلہ آخر کہ فارسی میں جانا بغیر نون آخر بمعنی اے معشوق صحیح ہے

ایزد کمال لکھنوی فرماتے ہیں کہ اس کا استعمال بکسر زاے معجمہ قابل ترک ہے اس لئے بفتح صحیح ہے ضیائے دہلوی نے کتب لغات فارسی سے زاے معجمہ کے کسرے کا ثبوت دیا ہے **مؤلف** عرض کرتا ہے کہ یہ لفظ زند و پازند کا ہے جو بفتح زاے ہوز لیکن فارسیوں کے استعمال میں بکسر زاے ہوز بھی مستعمل ہے (دیکھو ہماری تالیف آصف اللغات کی ساتویں جلد) جناب امیر مینائی نے بھی امیر اللغات میں اس کو

کسرۂ زاے ہوّز سے لکھا ہے۔

اے طبیبو قرار شاد جہاں پوری نے فرمایا ہے کہ اب اس کے عوض صرف طبیبو کا استعمال صحیح ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ آپ کا قول مجرد اس کیلئے کافی نہیں ہے اکثر استادان معاصر اسکو فصیح مانتے ہیں اور شاد کے کلام میں بھی اس کا استعمال ہے

(ص) اے طبیبو مر گیا بیمار عشق اچھا ہوا ۔ چُھٹ گیا
اجل اس درد کا درمان کیا تھا کچھ نہ تھا ۔ ہمارا ذوق اس استعمال کو پسند کرتا ہے۔

ایک بدت حضرت لکھنوی فرماتے ہیں یہ غیر فصیح ہے اسکے عوض (ایک مدت تک) کا استعمال ہونا چاہئے مؤلف عرض کرتا ہے کہ حضور آپ کا یہ ارشاد ناقابل تسلیم ہے۔ اکثر استادان معاصر اس استعمال کو فصیح خیال کرتے ہیں اور مؤلف کا ذوق بھی اسکو پسند کرتا ہے ناسخ کے کلام میں بھی اس کا استعمال ہے

(ص) ہاتھ میں جس کا ہاتھ اس کا لے لیا اس جرم میں
ہتھکڑی پہنی ہے میں نے ایک بدت ہاتھ میں

ایکی کمال لکھنوی فرماتے ہیں کہ بروزن فعلن متروک ہے۔ فاعلن کے وزن پر استعمال کرنا چاہئے۔ ضیا سے دہلوی کا قول ہے کہ اہل زبان نے دونوں طرح استعمال کیا ہے لیکن آپ نے استعمال (بروزن فعلن) کی کوئی سند نہیں دی محقق دہلوی صاحب فرہنگ آصفیہ نے اس کو ترک کیا ہے اور جناب امیر مینائی نے بھی امیر اللغات میں اسکو نہیں لکھا اور (ایکی) پر فرمایا ہے کہ (ایک ہی) کا مخفف ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ اہل لکھنؤ نے یا تو (ایک ہی) بروزن فاعلن استعمال کیا ہے یا (ایکی) بروزن فعلن ضیا کو لازم ہے کہ شعرائے دہلوی کے کلام میں (ایکی بروزن فعلن) کا استعمال دکھلا کر ہمکو شکر گزاری کا موقع دیں جس کے بعد ہم بھی اس کا استعمال کیا کرینگے اس وقت تو ہمارا ذوق کمال لکھنوی کے موافق ہے۔

اے واعظو قرار شاد جہانپوری فرماتے ہیں کہ یہ غیر فصیح ہے اور اب اس کی عوض صرف واعظو مستعمل ہے مؤلف عرض کرتا ہے شاد کے کلام میں اس کا استعمال موجود ہے۔ اکثر استادان معاصر اس استعمال کو فصیح مانتے ہیں۔ مجھکو قرار سے بھی حیرت [illegible]

لکھ دینے سے اس کی فصاحت میں خلل نہیں آ سکتا
(س) شرطیں جو بندگی میں لگا تار روا ہوا، اپنا او تو نظر
نماز نہ ٹھہری جو ادا ہوا ۃ

اُسے بھر ہو | قمر ارشاد جہان پوری فرماتے ہیں
کہ یہ غیر فصیح ہے اس کے عوض (دیکھ رہیو) کا استعمال
ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ اکثر استادان معاصر
اسکو غیر فصیح نہیں خیال کرتے قمر ارشاد جہان پوری
کا قول معتبر اس کی فصاحت کو نہیں مٹا سکتا
استاد مسلم الثبوت اعنی جناب امیر مینائی کے کلام
میں بھی اسکا استعمال اور ہمارا ذوق اس استعمال
کو فصیح مانتا ہے (س) تم اپنے پاؤں کے کانٹے
نکالو مجھے اسے بھر ہو فرصت کہاں ہے ۃ

باے موحدہ

بات کرنی | کمال لکھنوی فرماتے ہیں اب اس
کا استعمال متروک ہے اسی طرح (جان دینی) (راہ
چلنی) وغیرہ سب متروک ہیں ان کی جگہ (بات کرنا
جان دینا، راہ چلنا) مستعمل ہے نسیم دہلوی
اس کے خلاف ہیں اور فرماتے ہیں کہ جلال لکھنوی
نے دونوں طرح استعمال فرمایا ہے (س)
جالے شربت مجھے دینا تھا شراب و ترشح میں کہا
ہے یہاں جام کی حسرت ہو (ولہ) میری فریاد
آنکھ سنتی تھی اسے داور محشر اہل محشر میں کہا
کان سے کوشاں مجھکو۔ مؤلف عرض کرتا ہے
کہ ہمارا ذوق یہ ہے کہ اسم مذکر مفعول کی رعایت
سے مصدر میں الف اور اسم مؤنث
مفعول کی رعایت سے یاے معروف کا استعمال
ہونا چاہئے جیسے کھانا کھانا۔ پانی پینا۔ بات
کرنی ۔ جان دینی ۔

بارے | قمر ارشاد جہان پوری فرماتے ہیں
اسے بمعنی (۱) کس لئے اور (۲) ایسا ہوا متروک
ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ استادان سلف
سے میر اور استادان معاصر سے جناب امیر
کے کلام میں اس کا استعمال ہے ہمارے ذوق
میں یہ اپنے صحیح معنوں کے لحاظ سے قابل استعمال
(امیر سلمہ) زور اور زر تھا تو بارے تھیر ۃ
کس بھروسے پہ آشنائی کی ۃ (امیر سلمہ)
شہر پھیر کر چلی تھی خفا ہو کے تیغ ناز ۃ بارے
چھپٹ کے میں نے گلے سے لگا لیا ۃ ولہ

ہوکہ یہ زبان فارسی کا لغت ہے محقق دہلوی نے
فرہنگ آصفیہ مین فرمایا ہے کہ اردو مین بمعنی
آخر الامر۔ آخر کار۔ الغرض مستعمل ہے۔ قرار
شاہجہان پوری نے میر و امیر کے اشعار سے جو
معنے پیدا کیے ہین اون سے یہ معلوم ہوتا ہے
کہ آپ کو فارسی زبان کا ذوق کم ہے آپ کے قائم
کیے ہوئے دونون معنے بے شک بیکار ہین کہ
ان معنون مین اس لفظ کا استعمال کچھ فصیح نہین
ہے۔ لیکن جب اس لفظ کے صحیح معنون سے آپ
واقف ہی نہین ہین۔ تو پھر فصیح اور غیر فصیح
کا تصفیہ کیا۔ (قصور معاف) محقق دہلوی
نے اس لفظ کے جو معنے بیان فرمائے ہین ان
کے لحاظ سے میر و امیر کے اشعار ملاحظہ ہون۔
تو خود جناب کو معلوم ہو جائے گا کہ ان دونون
اشعار مین یہ لفظ کیسا لطف دے رہا ہے۔

بازار عشق مین سے عشرت لکھنوی
فرماتے ہین اب اس کا استعمال لفظ (سے)
کے ساتھ نہین ہے بلکہ صرف (بازار عشق مین)
مستعمل ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ آتش
کے کلام مین اس کا استعمال موجود ہے اور
ہم کو اس کے فصاحت مین کلام نہین ہے۔
لیکن ہمارا ذوق ذاتی عشرت سے متفق
ہے (آتش ؎) دل دیکے بوسۂ لب لعلین
کیا خرید ؏ بازار عشق مین سے یہ آکر لیا دیا ؏

باندھے ہے قرار شاہجہان پوری فرماتے
ہین کہ اب اس کا استعمال نہین ہے بلکہ باندھتا
ہے مستعمل ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ مومن
کے کلام مین اس کا استعمال ہوا ہے اور
اس کے فصیح ہونے مین کوئی کلام نہین۔
لیکن ہمارا ذوق ذاتی بھی قرار کے ساتھ
متفق ہے (مومن ؎) گر دعا کرتا ہون
مومن وصل کی ؏ ہاتھ باندھے ہے وہ
بت زنار سے ؏

بخشے ہے عشرت لکھنوی اور قرار شاہ
جہان پوری فرماتے ہین کہ اب اس کا استعمال
نہین اس کی جگہ بخشتا ہے مستعمل ہے مؤلف
عرض کرتا ہے کہ اگرچہ غالب دہلوی کے کلام
مین اس کا استعمال موجود ہے اور اس کے

فصیح ہونے مین ہم کو کلام نہین ہے لیکن
ہمارا ذاتی ذوق دونون بزرگون کے موافق
ہے (غالب ؎) بخشے ہے جلوۂ گل ذوق تماشا
غالب چشم کو چاہئے ہر رنگ مین وا ہوجانا

برابر مین عشرت لکھنوی اور قرار شاہ
جہان پوری فرماتے ہین کہ اب یہ متروک
ہے اور اس کی جگہ (ساتھ مین) اور (برابر)
مستعمل **مؤلف** عرض کرتا ہے کہ استادان
سلف کے سوا استاد داغ نے بھی اس کا
استعمال فرمایا ہے اور ہمارا ذوق اس کو
فصیح اور اس کے استعمال کو پسند کرتا ہے
(داغ ؎) وحشت ایسی ہے کہ سائے سے
بھی مین کہتا ہون کہ آپ کیون میرے برابر
چلے آتے ہین ٭

برخلاف قرار شاہ جہانپوری نے فرمایا
ہے کہ اب یہ مستعمل نہین ہے اس کے عوض
صرف (خلاف) کا استعمال ہے **مؤلف** عرض
کرتا ہے کہ یہ فارسی زبان کا لفظ مرکب
ہے بمعنی خلاف اور محقق دہلوی نے فرہنگ
آصفیہ مین اس کا استعمال اردو مین بیان
کیا ہے۔ اور غیر فصیح ہونے کا کوئی اشارہ
نہین فرمایا۔ استادان معاصر سے داغ مغفور
کے کلام مین اس کا استعمال موجود ہے (؎)
بیمہر تیرے جور سیاست نے بھلا دیے ٭ کس
درجہ برخلاف ہے دل کس قدر خلاف ٭ پس
ہمارا ذوق اس کے استعمال کو پسند بھی کرتا ہے
اور ہم اسکو فصیح بھی خیال کرتے ہین۔ بول
چال مین بعض موقع پر اس کے عوض لفظ
(خلاف) غیر فصیح معلوم ہوتا ہے جیسے "زید
ان کا مخالف ہے برخلاف اس کے اس کا
بیٹا موافق ہے" اب جناب قرار شاہ جہانپوری
ملاحظہ فرمائین کہ اس جملہ مین (برخلاف) زیادہ
لطف دیتا ہے یا صرف (خلاف) اور استاد
داغ کے ایک مصرع مین چونکہ (خلاف اور
برخلاف) دونون جمع ہین۔ اس سے بھی
لطف زبان مترشح ہے اور سچ یہ ہے کہ فارسی
الفاظ کے متعلق فصاحت اور غیر فصاحت کا
فیصلہ انہین استادون کو کرنا چاہئے جن کو

زبان فارسی کا ذوق کامل ہو۔

برہمن نہ ہو عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ آتش کے شعر ذیل مین (برہمن نہ ہو) خلاف فصاحت ہے اس محل پر (برہمن نہین) کہنا چاہئیے (ص) آتش جو بوسہ لے لے تو اُس کا بُرا نہ مان ٭ عاشق ہے اے صنم یہ ترا برہمن نہ ہو ٭ آپ ہی فرماتے ہین کہ نہ ہو کا استعمال ایسے موقع پر ہو سکتا ہے مثلاً کہین (سامنے سے ایک آدمی جنیو ڈالے قشقہ لگائے آرہا ہے دیکھنا کہین برہمن نہ ہو) مولف عرض کرتا ہے کہ آتش کے شعر مین جن معنون مین استعمال ہوا ہے ان پر عشرت نے غور نہین کیا آپ نے یہ سمجھا کہ آتش نے (برہمن نہ ہو) کو بمعنی (برہمن نہین) استعمال کیا ہے درحالیکہ ایسا نہین آتش مانے ہوے استاد تھے ایسے جاہل نہ تھے جو (نہین) اور (نہو) کے معنون کا فرق بھی نہ سمجھ سکین۔ قصور عشرت کا ہے کہ معنی شعر کی نزاکت کو نہ سمجھ کر ایک استاد پر ایسا اتہام کیا۔ واضح ہو کہ برہمن جب مورتون کو پوجتے ہین تو تعظیماً انکو اُسی طرح بوسہ دیا کرتے ہین جیسا کہ ہم قرآن شریف پر بوسہ دیتے ہین اُستاد آتش فرماتے ہین اے صنم اگر آتش تیرا بوسہ لے تو تو بُرا نہ مان وہ تیرا عاشق ہے کچھ عجب نہین تیرا پجاری ہو۔ پس اس کا بوسہ لینا درحقیقت تیری پرستش ہے اور اس کا فریضہ پرستش۔ اگر ہم (برہمن نہ ہو) کو اس شعر مین بمعنی (برہمن نہین) قرار دین تو شعر کے معنے غلط ہو جائینگے اور مورت کی پرستش مین اُس کا بوسہ لینا پجاری کے فرائض سے خارج ہوگا درحالیکہ ایسا نہین بلکہ اس کے فرائض مین داخل ہے اب سخنوران نازک خیال غور فرمائین کہ معاصرین سخنگو کی یہ شان ہے کہ خود معنی شعر کو نہ سمجھین اور اُستاد وقت کو ایسا نافہم خیال کرین جس کو (نہین) اور (نہو) کے معنون مین تمیز نہ تھی اور اس کے استعمال کو غیر فصیح قرار دیکر ترک کا حکم دین۔ اور اسی کا نام اصلاح زبان ہے اور ایسے افراد انجمن اصلاح سخن کے سکریٹری ہین جو فصحائے معاصرین یعنی داغ۔ جلال۔ و امیر مینائی کے استعمالات کو بھی غیر فصیح کہتے ہین اگر فصاحت

اسی کا نام ہے تو ایسی فصاحت کو ہمارا سلام ہے

بسمل کرنا کمال لکھنوی فرماتے ہیں کہ اس کو بمعنی ذبح استعمال نہ کرنا چاہیئے اس لئے کہ اسکے صحیح معنے مذبوح ہیں ہیں (دم بسمل) کا استعمال غلط ہے۔ ضیاے دہلوی کو اس سے اختلاف ہے اس لئے کہ باقر کاشی نے فارسی میں (دم بسمل) کا استعمال فرمایا ہے (؎)

دامن او گر بدست آید دم بسمل مرا ٭ آنچنان میرم کہ نبود حسرتے در دل مرا ٭

مؤلف عرض کرتا ہے کہ بسمل مقرر ہے اور فارسیوں نے بمعنی ذبح بھی اسکا استعمال کیا ہے اور (بسملگاہ) انھیں معنوں سے متعلق اور فارسی کی اصطلاح ہے اگرچہ صاحب فرہنگ آصفیہ نے اردو استعمال میں اس کے معنی ذبح کو ترک فرمایا ہے لیکن تفرسیا کے لحاظ سے اس کا استعمال اردو صحیح ہے ہم کو ضیاے دہلوی سے اتفاق ہے۔

بغل میں مار کے لیجانا عشرت لکھنوی فرماتے ہیں کہ یہ غیر فصیح اور متروک ہے اس کے عوض (بغل میں دبا کے لیجانا) مستعمل ہے

مؤلف عرض کرتا ہے کہ محقق دہلوی نے فرہنگ آصفیہ میں (بغل میں مارنا) کا ذکر کیا ہے اور جلال مغفور نے اپنی تالیف (سرمایۂ زبان اردو) میں بھی اور دونوں محققین نے کوئی اشارہ غیر فصاحت کا نہیں فرمایا ہے قرار اللغات مؤلفہ قرار شاہجہان پوری میں بھی اس کا ذکر ہے۔ آتش کے کلام میں اس کا استعمال موجود ہے اور استادان معاصر بھی اس کو صحیح خیال فرماتے ہیں اور ہمارا ذوق بھی اون کے موافق ہے (آتش ؎)

دل کو بغل میں مار کے لے تو چلے ہیں چوک ٭ کہتی ہے کیا نگاہ خریدار دیکھئے ٭

(داغ ؎)

محتسب نے جو نکالا مجھے میخانے سے ٭ ہاتھ میں جام لیا شیشہ بغل میں مارا ٭

بل بے قرار شاہجہان پوری نے فرمایا ہے کہ اب اس کا استعمال نہیں ہے کمال لکھنوی نے متروک کہا ہے۔ ضیاے دہلوی کو کمال سے اتفاق نہیں۔ محقق دہلوی نے فرہنگ آصفیہ میں اس کا ذکر بمعنی واہ رے۔ اللہ رے

کیا ہے جلال لکھنوی نے بھی اپنی تالیف (سرمایہ زبان اردو) مین اس کو لکھا ہے۔ اور کوئی اشارہ اس کی غیر فصاحت کا نہین فرمایا مؤلف عرض کرتا ہے کہ استادون کے کلام مین استعمال موجود ہے اور ہمارا ذوق بھی اس کے استعمال کو پسند کرتا ہے (ذوق سے) دل بے وحشت اب تلک بھی شاخ آہو کی طرح ❊ پیچ کھاتا ہے دھوان میرے چراغ گور کا ❊ (شاد سے) دل بے بدنا کی کہ ہے حسرت ہی حسرت جان زار ❊ اُف رے مایوسی تمنا ہی تمنا دل مین ہے ❊ (میر تقی سے) دل بے ظالم تیری بے پروائیان ❊ جاتین مشتاقون کی لب پر آئیان ❊

پین قرار شاہجہان پوری اور عشرت لکھنوی دونون نے اسکو بمعنی بے تغیر و بے تغیر فصیح و متروک لکھا ہے بعض استادان معاصر کو بھی ہم نے تارک پایا ہے محقق دہلوی نے فرہنگ آصفیہ مین اس کا ذکر کیا ہے اور کوئی اشارہ اس کی غیر فصاحت کا نہین فرمایا مؤلف عرض کرتا ہے کہ جب استادان سلف کے کلام مین اس کا استعمال ہے تو ہمارے موضوع کے لحاظ سے تغیر فصیح نہین ہے زمانہ حال کے معاونین زبان جن کو استادی کا دم و دعویٰ ہے حلقۂ زبان کے تنگ کرنے پر تلے ہوے ہین۔ اور اپنے ذاتی ذوق کو عالم مین پھیلانا چاہتے ہین وہ ہم کو معاف فرمائین کہ ہمارا ذوق اس کے خلاف نہین ہے (آتش سے) دام مین لا کر کیا جب بن چھری مجکو حلال ❊ باغبان بھی ہو گیا عاشق مرے صیاد کا ❊

بو کرنا عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ اب یہ بمعنی سونگھنا غلط اور غیر فصیح ہے اس کی جگہ سونگھنا صحیح اور فصیح مؤلف عرض کرتا ہے کہ یہ (بو کرون) کا ترجمہ ہے جس کا استعمال استاد مسلم الثبوت معاصر جناب امیر مینائی نے اپنے کلام مین فرمایا ہے جو توسیع زبان کے خواہان تھے اور فارسی کا ذوق کامل رکھتے تھے پھر کیا وجہ ہے کہ ہم اسکو غلط اور غیر فصیح سمجھین (امیر سے) مین بھی تو خاک رہ کسی گلبدن کا ہون ❊ سونگھین نہ جو حسین مری مٹی کو بو کرین ❊ ہماری رائے مین سونگھنا اور بو کرنا مین بہت بڑا فرق ہے اور

یہی فرق شمیدن اور بو کردن کا فارسی مین بھی ہے سنگھنی کو یا اور کسی چیز کو سونگھنا ایک فعل ارادی ہے یعنی ناک کے قریب لیجا کر معلوم کرنا کہ اسکی بو کیسی ہے اور بو کرنا خود بخود خوشبو حاصل کرنا جیسے باغ مین جانے سے یا عطر دان کھولنے سے عطر کی بو خود بخود آتی ہے جناب امیر نے ان دونون مضمون کی نزاکت کو مصرع ثانی مین ملحوظ رکھا ہے وہ شعرا جن کو فارسی کا ذوق نہین ہے اس نازک لطف کو کیا جانین۔ (بو کردن) کا ترجمہ اوس نزاکت کے ساتھ جس کا ذکر اوپر ہوا اگر بائیے گا کیا ہوگا (بو لینا) ہوگا یا (بو کرنا) اور ان دونون سے اردو کا روز مرہ معرا ہے جناب امیر نے باتباع بو کردن اگر (بو کرنا) کا استعمال فرمایا تو اردو پر بہت بڑا احسان کیا اور اسی کا نام اجتہاد ہے عشرت لکھنوی کی یہ غلطی ہے کہ آپ نے امیر کے کلام کی نزاکت کو نہین سمجھا اور اس کے غلط معنے خود قائم کر کے فرما دیا کہ غلط اور غیر فصیح ہے۔ ان بزرگ نے یہ بھی نہین خیال کیا کہ جب کوئی لفظ غلط ہو تو غیر فصیح کیسا۔ افسوس ہے کہ آج اردو کی یہ گت بنی ہے اور سرپرستان اردو جن کو انجمن اصلاح سخن سے بہت بڑا تعلق ہے۔ اس پایہ کے افراد ہین۔ مؤلف کا ذوق اس کے استعمال کے سراپا موافق ہے۔

بھاریان عشرت لکھنوی فرماتے ہین اب یہ غیر فصیح اور متروک مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ آتش کے کلام ذیل مین اس کا استعمال ہے لیکن ہمارا ذوق بھی اب اس کے خلاف ہے

(سہ) عہد طفلی مین بھی تھا مین بسکہ سودائی مزاج
بیڑیان منت کی بھی پہنین تو مین نے بھاریان

بھانا کمال لکھنوی فرماتے ہین بروزن فعلن متروک اس کی جگہ پسند آنا۔ خوش آنا مستعمل ہے ضیاے دہلوی فرماتے ہین کہ خوش آنا تو زبان ہی نہین۔ پسند آنا۔ اچھا معلوم ہونا۔ محاورہ ہے مگر زبان مین جہان بھانا بولا جاتا ہے وہان بھانا ہی اچھا معلوم ہوتا ہے جیسے "یہ چیز ہم کو نہین بھاتی" (انتہی) قرار شاہجہانپوری فرماتے

تالیف قرار الاصطلاحات مین جو ابھی ابھی شائع
ہوئی ہے (مرغوب ہونا) کے مضمون مین اس
کا ذکر کیا ہے اور صاحب فرہنگ آصفیہ نے بھی
اس مصدر پر کوئی اشارہ غیر فصیح ہونے کا
نہین کیا۔ البتہ جلال لکھنوی نے (سرمایۂ زبان
اردو) مین یہ فرمایا ہے کہ بعض فصحاے متاخرین
کے نزدیک متروک ہے مؤلف کا ذوق اس
کے ترک کو نہین پسند کرتا۔ استادون کے کلام مین بھی
اس کا استعمال ہے۔ اور بعض استادان معاصر
کو ہم سے اتفاق ہے (ناسخ ؎) بہا گئی کون
سی وہ بات بتون کی ورنہ ٭ نہ کمر رکھتے ہین کافر
نہ دہان رکھتے ہین (رند ؎) تجھ کو آنا ہو تو اچک
اے اجل ٭ چونچلا تیرا مجھے بھاتا نہین کچھ

بھلا | عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ یہ اب
متروک اور اس کے عوض اچھا کا استعمال ہے
قرار شاہجہان پوری نے اپنی تالیف قرار الاصطلاحات
مین اس کے کل ملحقات کا ذکر فرمایا ہے اور
جلال لکھنوی نے (سرمایۂ زبان اردو) مین اسکی
نسبت غیر فصاحت کا کوئی اشارہ نہین کیا ہے
اور محقق دہلوی نے فرہنگ آصفیہ مین بھی اسکو
بغیر کسی ایسے ایماکے قائم فرمایا ہے۔ استادان
سلف کے سوا استادان معاصر کے کلام مین بھی
اس کا استعمال موجود ہے مؤلف کا ذوق اس
کے استعمال کو پسند کرتا ہے (داغ ؎) مجال
کسکی ہے اے ستمگر سنائے جو تجھکو چار باتین ٭
بھلا کیا اعتبار تو نے ہزار منہ مین ہزار باتین ٭

بھولیو | قرار شاہجہان پوری نے فرمایا ہے
کہ یہ اب مستعمل نہین ہے بجاے اس کے بھولنا
مستعمل ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ
انشا کے کلام مین اس کا استعمال ہے لیکن
ہمارا ذوق بھولنا ہی کو پسند کرتا ہے (؎)
انشا خیال محض ہے اسپر نہ بھولیو ٭ ہرگز کسی
کے ساتھ نہ ڈالے خدا غرض ٭

بھون پاس | عشرت لکھنوی اور قرار
شاہجہان پوری نے فرمایا ہے کہ یہ غیر فصیح اور
اب اس کے جگہ (بھون کے پاس) مستعمل ہے
مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ غالب دہلوی
کے کلام مین اس کا استعمال ہے لیکن ہمارا

ذوق اس کے موافق نہیں ہے (غالب سے) مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہیے ٭ بھون پاس آنکھ قبلۂ حاجات چاہیے ٭

باے فارسی

پچھلے پہر عشرت لکھنوی فرماتے ہیں کہ اب یہ غیر فصیح ہے۔ اس کے عوض (پچھلے پہر) مستعمل ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ آتش کے کلام میں اس کا استعمال ہے لیکن ہمارا ذاتی ذوق (پچھلے پہر) کو پسند کرتا ہے (آتش سے) روانہ ہوتا ہے پہلو سے پچھلے پہر یار ٭ چراغ صبح سے لڑتا ہوں پیشتر خاموش ٭

پچھ عشرت لکھنوی فرماتے ہیں کہ بمعنی لیکن اب یہ غیر فصیح ہے اور کمال لکھنوی نے بھی اسکو متروک کہا ہے اور اس کی جگہ لیکن اور مگر کے استعمال کی ہدایت کی ہے۔ ضیاے دہلوی بہ تردید کمال فرماتے ہیں کہ فصحا میں مستعمل ہے محقق دہلوی نے فرہنگ آصفیہ میں فرمایا ہے کہ یہ حرف استثنا ہے بمعنی لیکن۔ مگر۔ الا۔ اور اس معنے بہت قدیم فارسی میں بھی پایا جاتا ہے جیسے (ملا وحشی سے) آنکہ ہرگز یاد مشتاقان بمکتوبے نکرد ٭ گرچہ گستاخی است میگویم پچ خوبے نکرد ٭ مؤلف عرض کرتا ہے کہ فارسی ہو یا اردو دونوں حالت میں استادان سلف کے سوا فصحاے معاصر کے کلام میں بھی اس کا استعمال ہے اور ہمارا ذوق بھی اس کے استعمال کو پسند کرتا ہے۔ (داغ سے) مشتاق بہت ہیں مرے کہنے کے پر اے داغ ٭ یہ وقت ہی ایسا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا ٭ (امیر مینائی سے) جان آنکھوں سے دم تن سے نکلتے ہوے دیکھا ٭ پر دل سے نکلتے ہوے ارمان نہیں دیکھا ٭

پر آرزو کمال لکھنوی فرماتے ہیں کہ اس کا استعمال اب متروک ہے اسی طرح پر اشک۔ پر الم۔ پر جفا۔ پر حسرت۔ پر خون۔ پر دغا۔ پر ضرورت۔ پر غرور۔ پر فضا۔ پر غیرت بھی متروک اور غیر فصیح ہیں اور صرف پر آشوب۔ پر اثر۔ پر خم۔ پر درد۔ پر ظلم۔ پر غم مستعمل ہیں ضیاے دہلوی کو کمال سے بطور عام اختلاف ہے۔ مؤلف عرض کرتا ہے کہ جس قدر ایسے الفاظ

محاورہ فارسی مین ہین وہ تمام اردو مین مستعمل
ہو سکتے ہین اور مندرجۂ بالا کل الفاظ فارسی ہین مستعمل
ہین ۔ استادان سلف کے سوا استادان معاصر اردو
کے کلام مین بھی ایسے فارسی الفاظ کا استعمال ہے
(جلال ؒ) چشمک ہی قاتل دل پر آرزو نہ ہوا ۔ شاید تری نگاہ نے مارا ہو تو نہ ہو ۔ (ولہ)
جستجو کو جو چلے ہم دل پر حسرت کی ۔ رو دئیے دیکھ کے
جو کو پتہ آیا دآیا ۔ واضح ہو کہ کمال کا طرز بیان یہ
ہے کہ سوا چھ الفاظ موخر الذکر کے باقی کل الفاظ
جن کے ساتھ کلمۂ پر مرکب ہوا اس لیے متروک
ہین کہ پر اردو مین ذم کا پہلو رکھتا ہے مؤلف
عرض کرتا ہے کہ کیا ان چھ الفاظ مین جن کے
استعمال کی اجازت دی گئی ہے وہ ذم کا پہلو
نہین ہے جلال لکھنوی نے اپنے کلام مین
پر تاثیر ۔ پر عتاب ۔ پر پیچ و خم ۔ پر داغ ۔ پر آب
۔ پر نور ۔ پر ارمان ۔ پر فن ۔ پر غبار ۔ پر سوز ۔ پر
اضطراب ۔ پر آبلہ کا استعمال بھی فرمایا ہے
اشعار ضیا کے تصحیح الدستور مین ہین حاصل یہ
ہے کہ جس تحقیق پر ان الفاظ کو غیر فصیح کہا گیا ہے وہ
غیر موجہ ہے اور بار دیگر ہمارا ذوق کمال کے خلاف
ہے اور من وجہ ضیا سے متفق ۔

پر رکھے جاتا ہے عشرت لکھنوی فرماتے
ہین کہ اب یہ متروک ہے اور (پر رکھے ہوئے
جاتا ہے) مستعمل **مؤلف** عرض کرتا ہے کہ استادان
سلف کے کلام مین اس کا استعمال ہے اور استادان
معاصر بھی اس کے استعمال کو پسند کرتے ہین ہمارا
ذاتی ذوق بھی عشرت کے خلاف ہے (ناسخ
ؒ) نامۂ شرح جدائی یہ نہین دستار ہین ۔
پر رکھے جاتا ہے مرغ نامہ بر سر خاب کا ۔

پرشان کمال لکھنوی نے فرمایا ہے یہ لغت
ہندی ہے اس کا استعمال باخفائے نون
نہ ہونا چاہیئے بلکہ باعلان نون ہو ضیا
دہلوی فرماتے ہین کہ یہ زبان فارسی کا لغت
اور پریشان کا مخفف ہے صاحب فرہنگ
آصفیہ نے اسکو اردو لکھا ہے اور صراحت کی
ہے کہ یہ لفظ فارسی لغات مین نہین ہے بلکہ
اہل ہند کی گھڑت ہے (انتہی) استادان اردو کو
... اس کا استعمال باظہار نون کیا ہے کچھ

تعجب نہین کہ آپ نے بھی ایسا ہی سمجھا ہو یا باوجود
فارسی کا علم ہونے کے اعلان نون کو جائز
رکھا ہو (سے) محل پر اس کے پرستان
بکا ہوا ہو کاش رقیب پر مجھے عفریت کا گمان
ہوا ہو اور اختر نے بھی اعلان نون کے ساتھ
استعمال کیا ہے (سے) اک پریزاد ہر انسان
نظر آتا ہے ٭ جس طرف دیکھو پرستان نظر
آتا ہے ٭ جلال لکھنوی نے اپنی تالیف
(سرمایۂ زبان اردو) مین بھی اس لفظ کو اردو مان کر
بحضرت کے کلام مذکورۂ بالا سے سند دی ہے
مؤلف عرض کرتا ہے کہ ہم نے اپنی تالیف
(آصف اللغات) مین اس کو فارسی مانا ہے
اور پرستان کا مخفف کہا ہے ۔ محققین
فارسی کا سکوت لاشے ہے بہت سے الفاظ
اون کے لغات مین نہین ہین اور ہم نے
کلام فارسی سے انکو پایا ہے اور اپنی تالیف
مین جگہ دی ہے (آہی چغتائی سے) چندان
پری رخان جہان جلوہ گر شدند بہ اندر دلم کہ رشک
زہ ہمہ پریستانست (نامی اصفہانی سے) عیان
از پرتو روئش پرستان شود پرستان در شب
تاریک زندان (طغرا سے) ہمچون تو کسے دیگر
اندر نظرم نامد ٭ چندانکہ نگہ کردم در جان پرستانہا
ضیاے دیاری نے استاد مکرم کو چھوڑ کر ناحق
صاحبزادے کمال کی خبر لی جب اس تسامح
مین جلال لکھنوی اور محقق دہلوی بھی شریک ہین
تو بیچارے کمال کا کیا قصور ہے استادان سخن
سے بحر و اختر کا اعلان نون کے ساتھ اسکو
استعمال کرنا اون کا اجتہاد ہے جس سے ہم
کو اتفاق ہے ہم ان دونون کو سرپرست زبان
سمجھتے ہین جن کا خیال معاصرین زباندان
کے برعکس ہے انھون نے حلقۂ زبان کو تنگ
کرنا نہین چاہا یا یون سمجھو کہ اس مرکب لفظ
کو مفرد قرار دیا اور اس سند پر بوستان اور
گلستان اور شبستان وغیرہ مین بھی ہم اعلان
نون کرسکتے ہین ۔

پرے | عشرت لکھنوی فرماتے ہین اب
پرے یعنی (۱) علیحدہ (۲) اُس پار غیر فصیح ہے
محقق دہلوی نے فرہنگ آصفیہ مین اس کا

ذکر فرمایا ہے اور کوئی اشارہ غیر فصاحت کا نہین - کیا ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ استادان سخن کے کلام مین اس کا استعمال ہے اور ہمارا ذوق اس کے استعمال کو پسند اور فصیح خیال کرتا ہے (انشا لہ) مفت جل جائیگا پرے بھی سرک تو آر مین آگ ہون اور تو ہے خس ٭ (غالب لہ) نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا اور اب ٭ لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے ٭

چڑہو قرار شاہجہان پوری فرماتے ہین کہ اس کا استعمال اب متروک ہے اور اس کی جگہ پڑہنا مستعمل ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ ہمارا ذوق بھی اس کے استعمال کو پسند نہین کرتا - لیکن اس کے فصیح ہونے مین ہم کو کچھ شک نہین اس لئے کہ سودا کے کلام مین اس کا استعمال ہے (سہ) عمامہ کو اُتار کے پڑہیو نماز شیخ ٭ سجدے سے ورد سر کو اٹھایا نجاے گا ٭

پسارنا عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ اب یہ متروک اور غیر فصیح ہے اور اس کی جگہ پھیلانا کا استعمال مناسب ہے محقق دہلوی نے فرہنگ آصفیہ مین اس کا ذکر کیا ہے اور کوئی اشارہ غیر فصاحت کا نہین فرمایا۔ آپنے دامن کے ملحقات مین پسارنا کو ترک اور پھیلانا لکھا ہے - اور آتش نے پسارنا کے ساتھ استعمال کیا ہے (سہ) گلگون نظر سے اشک خونی اتارتے ہین ٭ گلچین ہمارے آگے دامن پسارتے ہین ٭ اور (منہ پسارنا) پر ظفر اور آتش کی سند دی ہے (ظفر سہ) اسے صدف کیون منہ پسارے ہے کہ اس رزاق کو ٭ ہر جہان پہنچانا آب و دانہ وان پہنچے ہی گا ٭ (آتش سہ) شیرین لبون کے اوپر رال اپنی ہے ٹپکتی ٭ بوسہ کا نام سنکر منہ پسارتے ہین ٭ اور (ہاتھ پسارنا) پر بھی استادون کا استعمال دکھلایا ہے (معروف سہ) بخشے نہ کیونکہ گوہر مقصود ابر فیض ٭ بیٹھی ہے دونون ہاتھ صدف اب پسارکے ٭ (نکہت سہ) مین گدا سے دراحمد ہون پکارے ہے فلک ٭ کہکشان سے دم شب ہاتھ پسارے ہے فلک ٭ (سودا سہ) کسی کے آگے کوئی ہاتھ پسارے کیا ذلیل ٭ سٹھی باندھے ہوے پاتا ہے تو لڈو دک ٭ (آغا

سے) نظر کر دعا پر خدا و ند عالم ؛ کہ ہم ہاتھ اپنے
پسارے ہوئے ہین ؛ مؤلف عرض کرتا ہے
کہ پسرنا اور اس کا متعدی پسارنا دونون مصادر
ہاتھ پانوئن کے لئے وضع ہوئے ہین - جلال نے
(سرمایہ زبان اردو) مین پسرنا پر فرمایا ہے کہ
عورت کا مرد کے آگے لیٹ جانا - صاحب فرہنگ
آصفیہ نے بھی ان معنون کا ذکر کیا ہے - پس
پاؤن یا ٹانگون کے لئے ہی افصح ہے اور مجازاً
ہاتھ کے لئے بھی فصیح اور استادان زبان کا
استعمال کثرت سے ہے جس کا ذکر اوپر ہوا اور
جن استادون نے دہن اور منھ کے ساتھ بھی
اس کا استعمال کیا ہے اس کے فصیح ہونے مین
بھی کچھ شک نہین لیکن ہمارا ذوق ذاتی اس
کے خلاف اور عشرت سے موافق ہے

پستہ | عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ بکسر موحدہ
اس کا قافیہ بستہ کے ساتھ قابل ترک ہے
اس لئے کہ اختلاف حرکت ماقبل قید اردو مین
کہین دیکھنے مین نہین آیا مؤلف عرض کرتا
ہے کہ (ملاحظہ ہو قواعد قافیہ اور کلام ناسخ)

(ناسخ) سبزۂ خط نے یہ بدلا ہے لب جانان کا رنگ ؛
پیش از ین عنابیہ جو تھا اندنون وہ پستہ ہے ؛
گوشش اخفا عبث ہے فاش ہوگا خلق مین ؛
راز دل ناسخ شراب شیشۂ بشکستہ ہے ؛ صحیح
اٹھکر آئینہ دیکھا تو کیا کہنے لگا ؛ صاف تر اس
سے ہمارا چہرۂ ناشستہ ہے ؛ ہے پرانی بات
کیا ابرو کو کہنا ناؤ تو ؛ زلف کو زنجیر کیا باندھیں یہ
مضمون بستہ ہے ؛ اسی لفظ پر کیا منحصر ہے
پژمردہ - پژوہ - اور گروہ کا قافیہ بھی درست ہو
(ولہ) اے بہار امسال دل پژمردہ ہے ؛
داغ سودا بھی چراغ مردہ ہے ؛ میری بیتابی
ہے بجلی کی طرح ؛ چاند تو ہے ابر تیرا پردہ ہو ؛
خاک سے اٹھتا نہین جو نقش پا ؛ کیا مری تصویر
کا یہ گروہ ہے ؛ دل کے جانے کا نہ ہو کیون غم
مجھے ؛ وہ مرے آغوش کا پروردہ ہے ؛

پس مردن | کمال لکھنوی فرماتے ہین
اب یہ متروک ہے اور پس مرگ یا بعد مرگ مستعمل
ضیاے دہلوی نے اس کی تردید کی ہے اور
اردو مین (پس مردن) کے استعمال کو صحیح

کھا ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ فارسی زبان کا
ذوق ہم کو مجبور کرتا ہے کہ فصحا سے اتفاق کر لینا
اس لئے کہ مرد آن مصدر ہے اور مرگ حاصل بالمصدر
مرکب اضافی مین حاصل بالمصدر سے کام لینا
بہتر سمجھا گیا ہے مگر اون خاص مصادر مین جن کا
حاصل بالمصدر نھین ہے ناگزیر مصدر ہی سے کام
لیا جاتا ہے۔ اگرچہ فارسی زبان مین پس مردن
و خوردن کا استعمال کثرت سے ملیگا۔ لیکن لطف
زبان اُسی مین زیادہ ہے کہ ہم حاصل بالمصدر
کو مضاف الیہ قرار دین جب فارسی کے ذوق
کا خود یہ رنگ ہے تو پھر اردو مین تو (پس مردن)
زیادہ تر قابل لحاظ ہے جن شعراے اردو کو
یہ رنگ پسند ہے کہ اون کا اردو مصرع تمام تر
فارسی نظر آئے تو اون کے لئے تو (پس مردن)
مبارک مگر جن شعرا کو یہ رنگ پسند نھین ہے
بے شک اون کا ذوق (پس مرگ) کو پسند کریگا

پسینہ جھاڑنا عشرت لکھنوی فرماتے ہین
کہ اب یہ متروک ہے اسکی جگہ پسینا پوچھنا مستعمل
مؤلف عرض کرتا ہے کہ بعض استادان
معاصر اردو اس استعمال کو فصیح خیال کرتے
ہین جن کے کلام کا درجہ عشرت سے بڑھا
ہوا ہے اور استادان سلف سے ناسخ کے
کلام مین اس کا استعمال بھی موجود ہے اور
ہمارا ذوق بھی اس کے استعمال کو پسند کرتا
ہے (ناسخ سہ) پسینہ اپنے ماتھے کا نھین
جھاڑا ہے انگلی سے * یہ سب بے قدر نے
توڑا ہے سلک دُر مکنون کو *

پچکارے عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ یہہ
(پچکار کرکے) کے معنے مین غیر صحیح ہے مؤلف
عرض کرتا ہے کہ استادان معاصر نہ صرف اسکو
صحیح مانتے ہین بلکہ فصیح بھی اور جناب امیر
مینائی کے کلام مین اس کا استعمال بھی ہے
اور ہمارا ذوق اس کے استعمال کا دلدادہ
ہے (مرآۃ الغیب امیر سہ) ہون وہ مے
کش جو کرون رُخ در توبہ کی طرف * پہنچکے جا
ہو پچکارے دہن خم مجھکو *

پلک کمال لکھنوی فرماتے ہین کہ یہ لفظ موے
مژہ کے معنون مین فارسی نھین ہے بلکہ ہندی

ہے اور فارسی مین لحاف چشم اور پپوٹے کے
معنون مین ہے۔ ضیاے دہلوی نے فرمایا ہے کہ پلک
فارسی زبان کا لفظ ہے اور یہ صحیح ہے کہ پپوٹے کے معنون مین ہے
لیکن مثال مین (پلک چشم) بمعنی موے پلک
کو جو غلط بتایا ہے خطا کی دونون ترکیبین فارسی
مین صحیح ہین یعنی (پلک چشم) کے معنے لحاف
چشم اور (موے پلک) کے معنے موے لحاف
چشم (الخ) مؤلف عرض کرتا ہے کہ ضیا نے
بنفس نفیس سند مین قول کمال کو مانا ہے اور ایک
لفظی بحث پیدا کرکے مخالفت کی ہے ہم واضح
الفاظ مین کہتے ہین کہ پلک بمعنی موے
مژہ فارسی ہے کتب لغات فارسی کے اجمالی
بیان اور ہمکی تلاش نے کمال اور ضیا دونون
کو دھوکے مین رکھا ہے ہم نے (تیوۃ العزیز)
کے گیارہوین باب مین اس لفظ کی تفصیلی
بحث کی ہے یہان اسی قدر کافی ہے کہ دونون
شعراے بالا کا تسامح ہے۔ (خسرو ۵) شعر
پلکہا کدام سوزن و بینہ دوسا کدام روئی نہ اشنا
ہزار یوسف و ہر نہ اے چہ ذقنا کدام کوئی نہ

پنھانا کمال لکھنوی فرماتے ہین کہ بروزن
فعولن اب متروک ہے اسکی جگہ پہنانا بروزن
مفعولن قابل استعمال۔ ضیاے دہلوی نے
اس کی تردید کی ہے اور آتش کے کلام سے
سند دی ہے (وہو ہذا ۵) سرمہ منظور
نظر ٹھہرا جو چشم یار کو ٭ پلکون گنڈا پنھایا مردم
بیمار کو ٭ محقق[۱] دہلوی نے (پنھانا اور پہنانا)
دونون کو قائم کرکے لکھا ہے کہ آج کل پہنانا
زیادہ مستعمل اور فصیح ہے۔ جلال نے اپنی تالیف
(سرمایۂ زبان اردو) مین صرف (پنھانا)
کو قائم فرما کر لکھا ہے کہ پوشیدن کا ترجمہ لیکن
یہ زبان متقدمین کی تھی۔ متاخرین کی زبان
پر پہنانا ہے بفتح باے فارسی و سکون ہاو
نون بعد ہا۔ اب ہم جناب ضیا سے پوچھتے
ہین کہ کیا کمال کا قول قابل تصحیح ہے اور
کیا ان دونون محققین دہلی و لکھنو کو کمال
سے اتفاق نہین ہے۔ ہماری ذاتی راے
یہ ہے کہ پہنتا لازم اور پہنانا متعدی۔ اصل
ہے اور پنہانا بہ تقدیم نون۔ قلب بعض

[۱] صاحب فرہنگ آصفیہ۔

اور بلحاظ استعمال آتش غیر فصیح نہین لیکن معاصرین کا اور نیز ہمارا ذوق اصل ہی کو پسند کرتا ہے۔

پوچھون ہون | قرار شاہ جہان پوری فرماتے ہین کہ اب یہ مستعمل نہین ہے اسکے عوض (پوچھتا ہون) کا استعمال ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ سودا کے کلام مین اس کا استعمال ہے لیکن مؤلف کا ذوق بھی اس کے استعمال کو پسند نہین کرتا (سودا سہ) ہندو ہین بت پرست مسلمان خدا پرست ٭ پوچھون ہون مین اسی کو جو ہو آشنا پرست ٭

پوچھو ہو | قرار شاہ جہان پوری فرماتے ہین کہ اب یہ متروک ہے اور اس کی جگہ پوچھتے ہو مستعمل ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ میر کے کلام مین اس کا استعمال ہے لیکن ہمارا ذوق بھی اس کے استعمال کو پسند نہین کرتا (میر سہ) کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو ٭ ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے ٭

پورے پہ | قرار شاہ جہان پوری اور عشرت لکھنوی فرماتے ہین اب یہ متروک اور غیر فصیح سمجھا جاتا ہے اس کے عوض (پورے پر) مستعمل ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ مومن کے کلام مین اس کا استعمال ہوا ہے لیکن ہمارا ذوق ذاتی بھی اس کے استعمال کو نہین پسند کرتا (مومن سہ) کچھ دینے کا بھی دیکھ لے اے آہ ٹھکانا ٭ کس پورے پہ لیتی ہے تو تاثیر دعا قرض ٭

پہ | عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ اب یہ یعنی پر غیر فصیح اور متروک ہے۔ کمال لکھنوی نے فرمایا ہے کہ بعض فصحاے متاخرین کے نزدیک ترک اور بعض مگر جملہ فصحا کے نزدیک متروک اور پر مستعمل ہے۔ ضیاے دہلوی فرماتے ہین کہ یہ لفظ مخفف ہے پر کا اور صحیح ہے اور اوپر کے معنے مین اس کا استعمال فصیح ہے۔ اور مگر کے معنی مین بھی صحیح و مستعمل ہے ہان بعض نے ترک کر دیا ہے آپ فرماتے ہین کہ جن لفظون کو جمہور

بالاتفاق ترک کردین وہ ترک مانا جائیگا اور اگر
بعض ترک کرین بعض نکرین یا اکثر نہ کرین تو
وہ متروک نہین یعنی اسپر حاکم حکم ترک کا نہین
ہوسکتا مؤلف عرض کرتا ہے کہ محقق دہلوی
نے اپنی تالیف فرہنگ آصفیہ مین اسکو بمعنی
پرا اور پرے کا مخفف کہا ہے اور کوئی اشارہ
غیر فصیح ہونے کا نہین کیا اور پر پر فرمایا
ہے حرف استثنا ہے اور انھین معنون مین
فارسی قدیم مین بھی پایا جاتا ہے اور اردو
مین بمعنی اوپر بھی مستعمل ہے (فارسی کی مثال
لفظ پر پر گزری ہے) اب مؤلف کی راے
یہ ہے کہ پہ بمعنی مگر پر کا مخفف نہین ہے بلکہ
مبدل اور جھنڈ ہے اور تہذیب اس لئے ہی
کہ فارسی کے پر سے راے جہلہ کو ہندیون
نے ہاے ہوز سے بدلدیا ہے۔ الحاصل ہمارا
ذوق اس کے استعمال کو دونون معنون مین
پسند کرتا ہے اور ہم دونون معنون مین اسکو
فصیح خیال کرتے ہین (جلال سے) تہ و بالا
کیا انکو کچھ ایسا بیقراری نے ؛ جگر کی جا پہ دل

پایا جہان دل تھا جگر پایا ؛ (امیر سے) سر سے
اُٹھا کے ہاتھ ہوا سرفراز مین ؛ دنیا پہ لات
مار کے پامرد ہوگیا ؛ (داغ سے) ہم پہ ہے
کیون یہ غصہ مرتے ہین سب اجل ہم پہ دشمن
پہ ہو جو ہرگز قائل نہین قضا کا ؛ (امیر سے)
دل کی خواہش ہو کسی کو تو کبھی دل کی نہین ؛
اب بھی یہ جنس بہت ہے پہ خریدار ہین کم ؛
(غالب سے) غم اگرچہ جانگسل ہے پہ کہان
بچین کہ دل ہے ؛ غم عشق گر نہ ہوتا غم
روزگار ہوتا ؛

پھرے ہے قرار شاہ جہان پوری فرماتے
ہین کہ اب یہ متروک اس کے عوض پھرتا ہے
مستعمل ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ
استادون کے کلام مین اس کا استعمال ہے
لیکن ہمارا ذوق ذاتی قرار سے متفق ہے
(سودا سے) طلب نہ چرخ سے کر نام رحمت
اے سودا ؛ پھرے ہے اپنا وہ کاسہ لئے
گدائی کا ؛

پھلڑا عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ اب

متروک اور غیر فصیح اور (تلوار کا پھل) مستعمل ہے
صاحب فرہنگ آصفیہ فرماتے ہین کہ یہ پھل کی
تصغیر ہے۔ ہتیار یا چاقو کا وہ حصہ جو دستے یا
قبضے کے علاوہ ہوتا ہے مؤلف عرض کرتا ہے
کہ ہمارا ذوق یہ ہے کہ تلوار کے لئے پھل کا
استعمال صحیح ہے اور چاقو یا کٹار یا پیش قبض
کے لئے اس کی تصغیر یعنی پھلڑا خصوصاً
چاقو کے لئے جو کٹار اور پیش قبض سے بھی
چھوٹا ہوتا ہے پھلڑا ہی کہنا چاہئے الحاصل
جہان تصغیر مقصود ہو وہان اس کا استعمال ہوگا
استادان سلف کے کلام مین اس کا استعمال
موجود ہے (آتش ؎) نوش سے صرفہ کرے
خون گنہگاران عشق ٭ پھول سے رنگین پھلڑا
یہ تری شمشیر کا ٭ ہمارا ذوق ذاتی یہ ہے کہ
صرف چاقو کے لئے اس کا استعمال فصیح ہے۔

پھلو عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ بحذف
واو اس کا استعمال ناجائز ہے اس لئے کہ
یہ فارسی زبان کا لفظ ہے مؤلف عرض کرتا
ہے کہ اگرچہ بعض استادون کے کلام مین ایسا
حذف پایا گیا ہے لیکن ہمارا ذوق عشرت کے
موافق ہے کمال لکھنوی نے (حروف علت
کے حذف) کے متعلق جو راے دی ہے ہم نے
اس کی تفصیلی بحث کی ہے اور استادون
کی سندین بھی منقول ہین جس کا بیان آگے
آیگا (آتش ؎) گرگ بغل کو پہلو مین دل
کی جگہ رکھا ٭ یوسف سے بھی عزیز سے ہم نے
فزون کیا ٭

پھنچا ہے قرار شاہ جہان پوری فرماتے
ہین کہ اب یہ متروک ہے اس کی جگہ پہنچا تا ہے
مستعمل مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ ذوق
کے کلام مین اس کا استعمال ہے مگر ہمارا ذاتی
ذوق اس کے استعمال کو پسند نہین کرتا (ذوق
؎) ہان مدد طاقت کہے ہے ضعف سے سینے
مین دم ٭ دیکھیے لب تک خدا کیونکر مجھے پہنچائے ہے ٭

پھیرانچا ہے قرار شاہ جہان پوری
فرماتے ہین اب یہ متروک ہے اس کی جگہ پھیرنا
نہ چاہئے مستعمل مؤلف عرض کرتا ہے کہ لکھنؤ
مین میر انیس افصح مانے گئے ہین اور آپ کے

کلام میں اس کا استعمال موجود ہے اور ہمارا ذوق
ذاتی بھی اس کو پسند کرتا ہے اور بعض استادان
معاصر کی بھی یہی رائے ہے (انیس سے) کہتے
تھے فاطمہ سے علی گھر میں جو ہو دو پیالی
کبھی فقیر کو پھیرا نہ چاہیئے۔

پھینکنے سے | قرار شاہجہانپوری فرماتے
ہیں کہ یہ اب متروک اس کی جگہ (پھینکتا ہے)
مستعمل ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ
سودا کے کلام میں اس کا استعمال ہے لیکن
ہمارا ذوق ذاتی اس کے استعمال کو نہیں
پسند کرتا (سودا سے) گل پھینکے ہے عالم کی
طرف بلکہ ثمر بھی ٭ اے خانہ برانداز چمن
کچھ تو ادھر بھی ٭

پیجے | کمال لکھنوی فرماتے ہیں کہ غیر فصیح ہے
اور اسی طرح دیجے۔ لیجے وغیرہ بروزن فعلن
اس کے عوض پیجئے۔ دیجئے۔ لیجئے بروزن
فاعلن مستعمل۔ ضیا دہلوی فرماتے ہیں کہ
اہل زبان اور فصحا کے کلام میں یہ سب لفظ جس
موقع سب طرح آتے ہیں مؤلف عرض کرتا ہے
کہ ہمارا ذوق کمال سے متفق (جلال سے) پہلے
تمام ہو چکے شام فراق سے ٭ دن بھر میں فیصلہ
ہو تو کیوں رات پیجئے ٭ تعجب ہے کہ ضیا نے
پیجے۔ دیجے۔ لیجے کے استعمال کی کوئی سند
نہیں دی جسکے ہم مشتاق تھے۔

پیر | قرار شاہجہانپوری اور عشرت
لکھنوی فرماتے ہیں کہ یہ اب متروک اور غیر
فصیح ہے اور اس کے جگہ پاؤں کا استعمال
فصیح ہے۔ صاحب فرہنگ آصفیہ نے اس
کا ذکر کیا ہے اور کوئی اشارہ غیر فصیح ہونے
کا نہیں کیا مؤلف عرض کرتا ہے کہ استادان
معاصر اس کے استعمال کو پسند فرماتے ہیں اور
استاد داغ مرحوم کے کلام میں بھی اس کا استعمال
ہے ہمارا ذاتی ذوق اس کے استعمال کو پسند
کرتا ہے اور ہم اسکو غیر فصیح نہیں سمجھتے (داغ
سے) کیوں دعوی رقیب سراسر غلط نہ ہو ٭
جب اس کی بات کا کوئی سر ہو نہ پیر ہو ٭

پھیری | عشرت لکھنوی فرماتے ہیں اس
کا استعمال بہت تھوڑا یا متروک مؤلف عرض

کرتا ہے (حذف حروف علت) کی بحث ردیف حائے
حطی میں آئیگی اگرچہ ناسخ کے کلام میں اسکا
استعمال ہے لیکن ہمارا ذوق عشرت سے
متفق (ناسخ سہ) سچ ہے فراق میں ہوئی قدر شب
فراق ؛ آیا ہے یاد پیری میں عالم شباب کا ؛ (ایک قلمی دیوان
ناسخ کا مصرع ثانی حسب ذیل ہے (ع) پیری میں یاد آیا ہے عالم شباب کا

پیٹھے سے | قرار شاہجہانپوری اور عشرت لکھنوی بالاتفاق فرماتے ہین کہ اب اسکا استعمال
متروک ہے اسکی جگہ (پیٹھ سے) مستعمل ہے مؤلف
عرض کرتا ہے کہ آتش کے کلام مین اسکا
استعمال ہے اور استادان معاصر بھی اس
کے استعمال کو پسند فرماتے ہین اور ہمارا ذوق
بھی یہی ہے (آتش سہ) ہوتی ہے وہ من
مین نشے کے دو دونی ہوا سے وصل ؛ کیا
پیچھے مین شیرا پیٹھے سے ہو خم خالی ؛

تاے فوقانی

تا کہ | کمال لکھنوی فرماتے ہین یہ کاف کے
ساتھ غیر فصیح اور اسی طرح (جبکہ - جو کہ -
چونکہ - کاش کہ - گو کہ) ضیا سے دہلوی نے
اسکی تردید تو نہین کی مگر تصحیح کے عنوان سے یہ
فرمایا ہے کہ استادون کے کلام مین ایسا استعمال
ہے جسکی نقل ذیل مین کیجاتی ہے الخ مؤلف
عرض کرتا ہے کہ اردو کے استعمال مین یہ کاف
بیشک زائد ہے اور ہمارا ذوق حتی الامکان
اس سے بچنے کو بہتر سمجھتا ہے واضح ہو کہ
ضیا نے (کاش کہ) کی نسبت فارسی مین
جامی کی سند دی ہے جو (کاشکے) سے متعلق
ہے - ہم عرض کرتے ہین کہ موضوع بحث سے
خارج ہے (جلال سہ) غرض کہ تیری ستائش
کہان جلال کہان ؛ دعا قبول کرے اپنا
قادر بیچون ؛ (ولہ سہ) جو کوے الفت مین
عاشق آئے وہان سے بے مرے نہ جائے ؛
غرض کہ یون آپ کو مٹائے کہ نام ہو جائے
بے نشان کا ؛

پیچھے مین | قرار شاہجہانپوری فرماتے ہین کہ
اب یہ متروک ہے اور اسکی جگہ (پیچھے) [illegible]
مستعمل ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ ذوق
کے کلام مین اس کا استعمال ہے لیکن ہمارے

ذاتی ذوق کے ناپسند ہے (ذوق سے) شعلہ
بھڑکے نہ کیون کہ محفل مین پہ شمع تجھ بن ہوا سے
لڑتی ہے ؂

تجھ پاس بقول قرار شاہ جہان پوری
اب متروک ہے اس کے عوض تیرے پاس
مستعمل مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ سودا کے
کلام مین اس کا استعمال ہے لیکن ہمارا ذوق
ذاتی اس کے خلاف ہے (سودا سے) خراب
ہین وہ عمارات کیا کہون تجھ پاس ؂ کہ جن کے
دیکھے سے جاتی رہی تھی بھوک اور پیاس ؂

تجھ چشم سے قرار شاہ جہانپوری فرماتے
ہین کہ اب اس کا استعمال متروک ہے اس
کی جگہ (تیری چشم سے) مستعمل ہے مؤلف عرض
کرتا ہے کہ اگرچہ سودا کے کلام مین اس کا استعمال
ہے لیکن ہمارا ذوق ذاتی اس کے خلاف
ہے (سودا سے) اے ابر قسم ہے تجھے رونے
کی ہمارے ؂ تجھ چشم سے ٹپکا ہے کبھی لخت جگر بھی ؂

تربیت کمال لکھنوی فرماتے ہین کہ تربیت
- تقویت - تصفیہ - تنقیہ یہ سب الفاظ بتشدید
یا غلط ہین - ضیا سے دہلوی نے بعنوان تصحیح
جو تردید کی ہے ہماری رائے مین وہ ان کے
غور مکرر کے قابل ہے اس لئے کہ یہ چارون
الفاظ عربی زبان کے ہین اور ان کی لغوی
تحقیق یہ ہے کہ بلا تشدید تحتانی ہین اور اردو
استعمال مین محقق دہلوی نے فرہنگ آصفیہ
مین انکو بلا تشدید قائم کیا ہے اور فصحا سے
معاصر نے بھی ان کا استعمال بلا تشدید کیا ہے
شعرا سے سلف کے کلام مین بھی ان کا استعمال
بہ تشدید یا ہماری نظر سے نہین گزرا - اس
مین کچھ شک نہین کہ بضرورت شعر عربون اور
فارسیون نے بعض اپنے مشددات کو استعمال
مین غیر مشدد کر لیا ہے اور اس کے بالعکس
بھی لیکن اس سے یہ لازم نہین آتا کہ لغوی
صحت سے انکار کیا جاے - استاد جلیل نے
بھی اپنی تالیف تذکیر و تانیث مین ان چارون
الفاظ کو بغیر تشدید لکھا ہے اور مسرور نے
تقویت کا استعمال تخفیف کے ساتھ کیا ہے
(سے) ہو نہ مجھ سے جدا خیال حبیب ؂ اک

تجھی سے ہے تقویت دل کی ؛ اسی طرح منیر
نے تصفیہ کا استعمال بہ تخفیف یا فرمایا ہے (س)
آپ منھ دیکھنے کو آئینۂ دل مانگا ؛ تصفیہ اس بت
کا فر کا خدا ساز ہوا ؛ جانصاحب نے تنقیہ کا استعمال
بھی تخفیف یا ہی سے کیا ہے (س) جن تھا
مواںجارکہ اترا نہ آج تک ؛ سو طرح سے علاج
ہوسے تنقیے ہوے ؛ اب حضرت ضیا سے
ہم پوچھتے ہین کہ کیا جلال کی ہدایت غلط ہے
یا صحیح کی تصحیح۔ مؤلف کا ذاتی ذوق کمال
لکھنوی سے متفق ہے اور ان کا شکر گزار ہے

تڑپن قرار شاہ جہان پوری فرماتے ہین
کہ اب یہ متروک اور تڑپ کا استعمال ہے۔
محقق دہلوی نے اپنی فرہنگ آصفیہ مین
اس کو ترک کیا ہے جلال لکھنوی نے (سرمایۂ
زبان اردو) مین بھی اس کو نہین لکھا اگرچہ
شاد کے کلام مین اس کا استعمال ہے لیکن
مؤلف کا ذاتی ذوق اس کے خلاف ہے
(شاد س) دکھا ئین کس طرح تڑپن دل مضطر
کی ڈرتے ہین ؛ ٹھہر جاتا ہے یہ ظالم دم بسمل
ہاتھ دھرتے ہین ؛

تصفیہ دیکھو تربیت جس پر اس کا بیان ہے

تعویذ لحد کمال لکھنوی نے فرمایا ہے کہ
یہ قابل ترک ہے اس لیئے کہ عربی یا فارسی
مین تعویذ اون معنون مین نہین ہے جن
معنون مین اردو والون نے اس مرکب کا
استعمال کیا ہے۔ ضیاے دہلوی نے کمال
لکھنوی سے اختلاف کیا ہے اور مؤلف
کو ضیا سے اتفاق ہے۔ ہم تعویذ کو اس مرکب
مین ہندی خیال کرتے ہین اور الفاظ ہندی
کی اضافت بقاعدۂ فارسی ہماری رائے مین
صحیح ہے جس کی کامل صراحت ہم نے اپنی تالیف
(حیوۃ العزیز) کے گیارھوین باب مین کی
ہے جو اسی مجموعہ کی ابتدا مین ہے۔

تقویت دیکھو تربیت جس پر اس کا بیان ہے

تلک قرار شاہ جہان پوری فرماتے ہین کہ
یہ اب متروک ہے اس کے عوض تک کا استعمال
ہے۔ محقق دہلوی نے فرہنگ آصفیہ مین فرمایا
ہے کہ پرانی ہندی کا لفظ ہے اور تک اسی کا

مخفف ہے اور تلک آج کل کم مستعمل ہے۔ مگر
شعرا نے بضرورت اس کو جائز رکھا ہے۔ جلال
لکھنوی (سرمایۂ زبان اردو) میں فرماتے ہیں
لفظ تلک کا مرادف تا مزید علیہ اور بعض فصحائے
متاخرین کے نزدیک متروک الاستعمال ہے۔
مؤلف عرض کرتا ہے کہ فصحائے معاصرین سے
جناب امیر مینائی کے کلام میں اس کا استعمال کیا
ہے اور ہمارا ذوق ذاتی بھی اس کے استعمال
کو پسند کرتا ہے (امیر ؎) جب تلک تم تھے
کشیدہ دل تھا شکووں سے بھرا ٭ تم گلے سے
مل گئے سارا گلہ جاتا رہا ٭

تلے | قرار شاہجہانپوری اور کامل لکھنوی
نے اس کے ترک کی رائے دی ہے۔ اور اس
کے عوض نیچے کو فصیح مانا ہے۔ ضیائے دہلوی
کو کمال سے اختلاف ہے۔ اگرچہ جلال لکھنوی
اور ہمارے استاد داغ کے کلام میں اس کا
استعمال ہے لیکن ہمارا ذاتی ذوق اس کے
خلاف ہے لیکن ہم کبھی اس کو غیر فصیح نہیں
کہتے (جلال ؎) کیا جائینگی اوپر ہی سے اوپر
وہ ادائیں ٭ پھرتی جنھیں پاتے ہیں ان آنکھوں
کے تلے ہم ٭ (داغ ؎) وہ دل ہے جو ترے
تلووں تلے ہوا پامال ٭ وہ سر ہے جو ترے
نیزے پہ سر بلند ہوا ٭

تمھاری قسم | کمال لکھنوی فرماتے ہیں
یہ متروک ہے اور اسی طرح (تمھاری خاطر)
(ہماری قسم) (ہماری خاطر) بھی متروک اور
اسکی جگہ تمہارے سر کی قسم۔ ہماری جان کی قسم۔ تمہارے
واسطے۔ ہمارے واسطے یا تمہارے لئے اور ہمارے
لئے) مستعمل ہیں۔ ضیائے دہلوی فرماتے ہیں کہ اہل زبان کی
میں یہ سب لفظ سب طرح مستعمل ہیں اور استادان
معاصر کو بھی کمال سے اتفاق نہیں مؤلف کا
ذوق بھی ان الفاظ کے موافق ہے۔

تم ہی | کمال لکھنوی فرماتے ہیں کہ متروک
ہے۔ اور اسی طرح۔ میں ہی۔ ہم ہی۔ وہ ہی
یہ ہی بھی غیر فصیح اور ان کے جگہ تمہیں میں
ہمیں۔ وہی۔ یہی مستعمل۔ ضیائے دہلوی
بعض ان تصحیح فرماتے ہیں کہ گو فصحا میں اسی
طرح استعمال ہے مگر تمھیں کے عوض (میں ہی)

فصحا مین مستعمل ہے پس کمال نے جس کو فصیح
کہا وہ متروک ہے (الخ) استاد ضیا اعنی جلال
لکھنوی نے (سرمایۂ زبان اردو) مین لکھا ہے
کہ ہمین تحتانی معروف اور اخفاے نون کے
ساتھ ایک کلمہ ہے کہ فائدہ اپنی ذات کے حصر کے
معنی کا دیتا ہے اور جو اس لفظ کو (ہمین ہی)
پڑھتے ہین یا لکھتے ہین غلط ہے مؤلف عرض
کرتا ہے کہ ضیا نے تصحیح الدستور کی تالیف کے
وقت غالباً استاد مکرم کے قول کو ملاحظہ نہ فرمایا
ہوگا اور اب آپ یہ فرما سکتے ہین کہ ہماری دلی
مین ہمین متروک اور (ہمین ہی) کا استعمال ہے
بیچارے کمال کا تو کچھ قصور نہین جس نے لکھنو
کے استعمال کی صراحت کی اور ہمارا ذاتی ذوق
دونون کے استعمال کو پسند کرتا ہے۔

تنقیہ | دیکھو تربیت جس پر اس کا بیان ہے

تو | کمال لکھنوی فرماتے ہین کہ یہ اور بغیر جو
واو مجہول کے ساتھ شرط و جزا کے محل پر بولا جاتا ہے
واو متروک اور باخفاے واو مستعمل ہے
دہلوی کہتے ہین خواہ کسی معنے مین ہو باظہار
واو بھی مستعمل ہے محقق دہلوی نے فرہنگ
آصفیہ مین اور جلال لکھنوی نے (سرمایۂ زبان
اردو) مین اظہار و اخفاے واو کا کوئی اشارہ
نہین کیا۔ استادان معاصر کے کلام مین اظہار
واو کے ساتھ تو کا استعمال ہے اور ہمارا ذوق
بھی تو مین واو کے اظہار کو پسند کرتا ہے۔
(جلال ؎) ضعف ہو تو ہم پہنچ جائینگے کوے
یار تک ٭ بیٹھتے اٹھتے ہوے ہم گرد منزل کی
طرح ٭ (دولہ ؎) جو ہم سے پوچھتے ہو تو اگر
سو بار غش آتا ٭ کلیم اللہ کو طالب دیدار ہونا تھا
لیکن جو کے متعلق (بمقام شرط) ہم کو کمال
لکھنوی سے اتفاق ہے۔ استادون کے
کلام مین اس کا استعمال باظہار واو ہماری
نظر سے نہین گزرا اگر کوئی سند استعمال ملے
بھی تو ہم اپنے ذوق سے مجبور ہون گے اور
ہمارا خیال ہے کہ استادان معاصر دہلی و لکھنؤ
سے کسی کو ضیا کے ساتھ اتفاق نہ ہوگا۔

تھین | قرار شاہجہانپوری فرماتے ہین
(اپنے تئین) اب متروک ہے۔ اسکی جگہ (آپ کو)

مستعمل۔ صاحب فرہنگ آصفیہ نے اس پر کوئی اشارہ غیر فصاحت کا نہیں کیا ہے اور (اپنے تئیں) کے استعمال کو صحیح مانا ہے البتہ جلال لکھنوی نے اس لفظ پر لکھا ہے کہ یہ روز مرہ قدیم کا تھا لیکن فصحاے متاخرین نے اس لفظ کا بولنا ترک کر دیا ہے۔ جناب امیر مینائی نے (امیر اللغات) میں (اپنے تئیں) پر فرمایا ہے کہ اس جگہ دلی میں (اپنے کو) اور لکھنؤ میں (آپ کو اور اپنے آپ کو) کہتے ہیں مؤلف عرض کرتا ہے کہ متعدد استادوں کے کلام میں اس کا استعمال ہے۔ ہم اس کو بے شک صحیح خیال کرتے ہیں لیکن ہمارا ذوق ذاتی اس کے استعمال کے خلاف ہے (جرأت سے) نہیں پہچانتے اپنے تئیں ہم پہ زیادہ اس سے کیا کوئی لٹے گا ٹھگا (درد سے) اپنے تئیں تو کام کچھ خرقہ و جامہ سے نہیں پہ زیدو اگر لباس ہے دیدہ عیب پوش ہے (سوز سے) فنا کر آپ کو تا جز سے ایدل گل تو ہو جاوے گنوا دے جب حباب اپنے تئیں اس وقت دریا ہو

(میر حسن سے) شعر کہنے سے یہ حاصل ہے کہ شاید کوئی پس بعد مرنے کے حسن اپنے تئیں یاد کرے

تاے ہندی

ٹپکے ہے قرار شاہجہانپوری فرماتے ہیں کہ اب یہ مستعمل نہیں ہے اس کے عوض ٹپکتا ہے) مستعمل ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ غالب کے کلام میں اس کا استعمال ہے لیکن ہمارا ذوق ذاتی اس کے استعمال کو نہیں پسند کرتا (غالب سے) گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی پس در و دیوار سے ٹپکے ہے بیابان ہونا۔

ٹک قرار شاہجہانپوری فرماتے ہیں کہ بمعنی (۱) ذرا اور (۲) اب۔ متروک ہے صاحب فرہنگ آصفیہ نے اسکو بمعنی ذرا گنواروں کی زبان کہا ہے اور تنکیر کی سند دی ہے (غالباً ان کا شمار گنواروں میں ہوگا) (ع) ٹک دیکھ لیا دل شاد کیا خوش بیٹھ رہے تو ..... اور چل نکلے (از آصفیہ سے) گرچاہت ٹک مانگو تو سو اس نہیں ہے پس اور اتنا گر چاہو تو ٹک پاس نہیں ہے

آپ ہی نے فرمایا ہے یعنی (ذراسی دیر۔ تھوڑی دیر کے لیئے) بھی مستعمل ہے (منہ ۔ ۵) او دامن اوٹھا کے جانے والے ٹک ہم کو بھی خاک سے اٹھا لے ☆ جلال لکھنوی (سرمایۂ زبان اردو) مین فرماتے ہین کہ ایک کلمہ ہے ذرا کے معنے کا فائدہ دیتا ہے لیکن فی زماننا متروک الاستعمال ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ اسکا استعمال میر اور سودا اور نظیر نے کیا ہے جو استادان مسلم الثبوت تھے اور گنوار نہ تھے لیکن مؤلف کا ذاتی ذوق اس کے استعمال کو پسند نہین کرتا اور کبھی اس کو غیر فصیح نہین سمجھتا (میر ۔ ۵) سرہانے میر کے آہستہ بولو ☆ ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے ☆ (سودا ۔ ۵) سودا تری فریاد سے آنکھون مین کٹی رات ☆ آئی ہے سحر ہونے کو ٹک تو کہین مر بھی ☆

ثمامے مثلثہ

ثمر ۵ کمال لکھنوی فرماتے ہین بسکون میم غلط ہے اور بفتحتین صحیح اگر ثقات شعراے ہند کے کلام مین بسکون میم پایا جاے تو جہند سمجھنا چاہیئے۔ ضیاے دہلوی نے کہا ہے کہ نامی گرامی ہمنوائی نے فارسی مین بسکون میم استعمال فرمایا ہے (ت ۔ ۵) کز حنظل تخم حنظل می دہد بر ☆ نیارد ثمرہ شیرین بشکر ☆ مؤلف عرض کرتا ہے کمال لکھنوی سچ کہتے ہین کہ یہ عربی زبان مین یہ فتح میم ہے۔ لیکن آپ کی نظر سے فارسی کا استعمال نہین گزرا اسی لیئے آپ نے سکون میم کے ساتھ اس کو جہند کہا ہے اور درحقیقت مغترض ہے محقق دہلوی یعنی صاحب فرہنگ آصفیہ نے اسکو بفتحتین لکھا ہے اور فرمایا ہے کہ بول چال مین بسکون ثانی مستعمل ہے ضیاے دہلوی فرماتے ہین کہ کمال اپنے والد جلال کو جن کے کلام مین اس کا استعمال بسکون میم ہے (ثقات شعرا مین نہ سمجھتے ہون) ہم کہتے ہین کہ کمال کے حق مین ضیا کی جہند بدگمانی انصاف سے بعید ہے اگر اون کے والد ماجد کا کلام جس مین اس لفظ کا استعمال ہے کمال کی نظر سے نہ گزرا ہو تو کوئی تعجب کا محل نہین ہے کمال کے قول سے حضرت جلال ثقات شعرا

(ذوق سے) تم جان ہو ہماری اور جان ہے
تو سب کچھ ؛ ایمان کی کہیں گے۔ ایمان ہے تو
سب کچھ ؛ (ناسخ سے) میری تربت پہ جدا اگر گزرے
اے جان کر دے خاک کو جسم کرو جسم کو پھر جان
کرو ؛ مخفی نہ رہے کہ صاحب فرہنگ آصفیہ نے
اس لفظ کو بمعنی معشوق غالباً ہندی سمجھا ہے
اور لغات فارسی بھی ان معنوں سے ساکت
ہیں لیکن ہماری تحقیق میں یہ لفظ [illegible]
ہیں بھی فارسی ہے جس کا [illegible]
(حیوۃ العزیز) کے گیارہویں باب میں [illegible]

جانان | جانانہ کمال لکھنوی فرماتے
ہیں بغیر علامت و اضافت بالانفراد اس کا استعمال
اردو میں غیر فصیح اور متروک ہے ضیا سے
دہلوی کو اس سے اختلاف ہے آپ کی رائے
ہیں یہ دونوں الفاظ بحالت انفرادی بمعنی معشوق
ترکیب بھی اردو میں مستعمل ہیں اگرچہ اکثر اردو استعمال کی
سند صرف ایک معتبر شاعر کی یاد ہے جس کا
نام یاد نہیں ہے لیکن فارسی استادوں کا کلام ملاحظہ
بیت (جامی سے) بہ بیدار یست یارب یا بخواب

کہ جان من زجانان کامیاب است ؛ (عرفی ع)
ہوشم بیگانہ ہے بر جانانہ چنین باید ؛ (جامی
سے) در بزم قدح نوشان در چشم وفا کوشان
معشوق ترا دانم جانانہ ترا یابم ؛ صاحب
آصفیہ نے (جانان) کا ذکر کیا ہے اور کوئی
اشارہ مثل کمال کے نہیں فرمایا مؤلف عرض
کرتا ہے کہ ان کا انفرادی استعمال باتباع فارسی
ہم اردو میں کر تو سکتے ہیں لیکن ہمارا ذاتی
ذوق یہ ہے کہ (جانانہ) کے انفرادی استعمال
کو ہم مستحسن نہیں خیال کرتے۔ اپنا اپنا ذوق۔

جانانہ سے قرار شاہجہان پوری فرماتے
ہیں کہ اب اس کا استعمال بمعنی جانانہ نہیں ہے
مؤلف عرض کرتا ہے کہ استادان سلف کے
کلام میں اگرچہ اس کا استعمال ہے لیکن ہمارا
ذوق ذاتی بھی اس کے خلاف ہے (سودا سے)
دل یہ جاتا ہے کہ جو صحرا کی طرف کرتا ہوں عزم ؛
جانانہ سے اس سمت دیوانہ ہر کہسار ہے ؛

جانانہ قرار لکھنوی فرماتے ہیں کہ اب بمعنی
جانانہ اس کا استعمال نہیں ہے مؤلف عرض

کرتا ہے کہ اگرچہ شاد کے کلام میں اس کا استعمال
پایا جاتا ہے اور دیگر استادان سلف نے بھی
کیا ہے لیکن ہمارا ذاتی ذوق بھی اس کے
خلاف ہے (شاد ؎) خونبار ہیں یہ چشم تر تو وہم
لے پھر جا پیو منہ ذرا تو تھم لے

جب نہ تب قرار شاہجہان پوری فرماتے
ہیں کہ اب اس کا استعمال بمعنی (بے موقع) نہیں
ہے۔ صاحب فرہنگ آصفیہ نے اس کا ذکر نہیں
کیا۔ جلال لکھنوی نے اپنی تالیف (سرمایۂ زبان
اردو) میں فرمایا ہے یہ ایک کلمہ ہے کہ فائدہ
معنی ہمیشہ کا دیتا ہے (ناسخ ؎) وہ گئے دن
جو ہمیشہ مجھ سے سیدھی آنکھ تھی ٭ جب نہ تب
میں اب تو پاتا ہوں نکالا یا کج ٭ آپ نے اس کے
ترک یا غیر فصاحت کا کوئی اشارہ نہیں کیا اور
استادان معاصر کو بھی قرار سے اتفاق نہیں
اور رند کے کلام میں بھی اس کا استعمال ہے
اور ہمارا ذوق بھی اس کے استعمال کو پسند
کرتا ہے (رند ؎) جھنجھلا کے وہ پکارتے ہیں
جب نہ تب مجھے ٭ آزردگی کا کچھ نہیں کھلتا سبب مجھے ٭
قرار نے اس لفظ کے جو معنے لکھے ہیں اون سے
محققین زبان ساکت ہیں اور ہر دو استادان
بالا کے کلام میں بھی اس لفظ کے وہی معنے پائے
جاتے ہیں جن کا ذکر جلال نے فرمایا پس ہم یہ
کہ سکتے ہیں کہ بقول قرار (بے موقع) کے معنوں
میں شاید مستعمل نہ ہوگا (کبھا کبھ جواب نہ ہوگا)
برخلاف اس کے ہمیشہ کے معنوں میں مستعمل تھا
ہی اور اب ہے بھی۔ واضح ہو کہ معاصرین زبان
دان کا یہ نیا رنگ ہے ایک فصیح لفظ کو اپنے
ذہن مبارک میں ایک انوکھے معنے میں فرض
کر کے اس کے ترک کا اشارہ فرماتے ہیں اور
یہ نہیں سمجھتے کہ درحقیقت وہی معنے قابل
ترک ہیں نہ لفظ۔ بعض اور الفاظ میں بھی اسی
قسم کی دل لگی اور بے تحقیقی نظر آئی ہے جیسے
(ڈبو کرنا۔ وغیرہ) پس اس طرز سے یہ نتیجہ نکلتا
آتا ہے کہ یہ ترک کلام محتاط محققین کے ہاتھ
سے ہونا چاہیئے۔

جبرا کمال لکھنوی نے فرمایا ہے اس کا استعمال
بمعنی دلیر و بہادر غلط جیسا کہ شعرائے ہند

استعمال کرتے ہین ان معنون مین نہ لغات عربیا
مین ہے اور نہ کلام شعراے عجم مین ضیاے دہلوی
بہ تصحیح قول کمال فرماتے ہین کہ اس کے معنے لشکر
بسیار اور بسوے خود کشندہ کے ہین اگر لشکر جرّار
کسی نے باندھا تو صحیح اور اگر (مرد جرّار) لکھا تو غلط ۔
مؤلف عرض کرتا ہے کہ یہ عربی زبان کا لفظ ہی
بمعنی مذکورہ بالا ۔ فارسیون نے لشکر آراستہ اور
بسیاری کے معنون مین استعمال کیا ہے (دیکھو
برہان قاطع) محقق دہلوی نے فرہنگ آصفیہ
مین لغوی معنون کے سوا ۔ بہادر ۔ سورما ۔ دلاور
۔ دلیر جنگجو کے معنون مین بھی دلّی کا استعمال
لکھا ہے اور ان معنون مین یہ لفظ ہند سے
استعمال اردو کے مجازی معنے معنی حقیقی سے
تعلق رکھتے ہین پس (مرد جرّار) کی ترکیب
ہماری راے مین صحیح ہے ۔ ضیاے دہلوی
کو جسطرح آپنے (تعویذ لحد) کی ترکیب اضافی کو
صحیح مانا ہے اُسی طرح (مرد جرّار) کی ترکیب
توصیفی کو بھی صحیح ماننا پڑیگا ۔ آپ کا یہاں
(مرد جرّار) کو غلط فرمانا یک بام و دو ہوا کا
مصداق ہوگا یا تو آپ نے فرہنگ آصفیہ کو
نہین ملاحظہ فرمایا یا کمال کی تردید کی رو مین
(تعویذ لحد) خیال مین نہین رہا ۔ ہم نے اسکی
تفصیلی بحث (ذخیرۃ العزیز) کے گیارہوین
باب مین بھی کی ہے ۔

جگنو کمال لکھنوی فرماتے ہین کہ گلے کے
ایک زیور کے معنون مین غلط اور جگنی صحیح
ہے ضیاے دہلوی فرماتے ہین کہ دلّی مین
تو بے شک جگنی کہتے ہین لیکن لکھنو مین جگنی
اور جگنو دونون طرح مستعمل ہے (افسون
لکھنوی ع) شب کو آئے جو نظر اس کے گلے
کا جگنو ٭ جو شرارہ ہوئی آہ کا جگنو بنجاے ٭
(ماہر لکھنوی ع) کبھی آیا نہ چمکتا ہوا آنکھون کو
نظر ٭ بخت کا میرے ستارہ ہے کہ جگنو تیرا ٭ (زند
ع) سر کا دوپٹہ شب کو جو گردن کے پاس
ہے ٭ جگنی کی طرح یار کا جگنو چمک گیا ٭ آپ
ہی نے فرمایا ہے کہ آخر کے شعر سے ظاہر جگنی
اور جگنو دونون نام دو وضع کے زیور کے
ہین اور (تذکرہ یادگار وطن) مین مرقوم ہے

کہ جگنو اور جگنی مین فرق چھوٹے بڑے کا ہوتا
ہے محقق دہلوی نے فرہنگ آصفیہ مین جگنو
اور جگنی کو ایک کہا ہے اور جلال لکھنوی ۔
استاد ضیاے دہلوی نے جگنی پر بطور تنبیہ
فرمایا ہے کہ بعضے جگنی کو جگنو بوا و معروف بولتے
ہین اور بنا بر محاورہ فصحاے لکھنو اس کی
صحت مین کلام ہے البتہ جگنو بمعنی کرمک
شب تاب صحیح ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ قول کمال
کی جو تصحیح ضیا نے کی ہو وہ در حقیقت استاد جلال کی تصحیح
ہماری رائے مین تصحیح غلط ہے دکن مین بھی اس زیور
کو جگنی کہتے ہین ہمارا ذوق جلال و کمال
سے متفق ہے اب رہا محقق دہلوی کا یہ
خیال کہ دونون ایک ہین ہم کو اس مین انکا
تسامح معلوم ہوتا ہے ۔ رند کے کلام سے
معلوم ہوتا ہے کہ جگنی اور ہے اور جگنو اور ۔

جگنو دیکھو تو جس پر اس کا بیان ہے ۔

جوبن کمال لکھنوی فرماتے ہین کہ پستان
کے معنون مین غلط ہے ۔ ضیاے دہلوی
نے فرمایا ہے کہ یہ لفظ برج بھاکا ہے
اور زبان مذکور مین بمعنی شباب و حسن و جمال و
جوانی و پستان مستعمل لیکن پستان کے معنون
مین فصحاے دلی نہین کہتے فصحاے لکھنو
نے باندھا ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ محقق
دہلوی یعنی (صاحب فرہنگ آصفیہ) نے جوبن
کو بمعنی کچ ۔ پستان ۔ چوچی لکھا ہے اور آپ
نے یہ صراحت نہین کی کہ ان معنون مین صرف
لکھنو کا استعمال ہے الحاصل ضیا نے یہ تردید
کمال ۔ کمال کے ابا جان اور اپنے استاد محترم
جلال لکھنوی کی سند دی ہے (س) اٹھتے
جوبن کو ذرا پہلے سنبھالے اپنے ۔ سینے پر
کوئی دوپٹے کے سنبھلنے کے لئے ۔ (ولہ)
دل آیا ہے تری اٹھتی جوانی ابھرے جوبن پر ۔
اکیلے پر تمہین معلوم ڈھایا کین کیا ستم دونون ۔
(ولہ) ابھری ہے مگر اٹھتے جوبن کو تمہارے دیکھ کر
دیر سے ششدر ہے دل کس کا ہین ان چار دن
مین ہون ۔ ہماری تحقیق یہ ہے کہ اردو مین
جوبن بمعنی شگفتگی اور ابھار اور بالیدگی
مستعمل ہے اور اس تعمیم مین چھاتیان داخل

ہین اور قرینۂ مقام کے لحاظ سے جوبن کے مراد
معنے پستان بھی ہو سکتے ہین لیکن یہ کبھی نہین
کہا جائیگا کہ اس کے معنے پر دو جوبن ہین بلکہ
اور غالباً کمال کا یہی مقصد ہے اور جلال
کے کلام سے بھی وہی معنے پیدا ہین جن کی
صراحت ہم نے کی اور صاحب فرہنگ آصفیہ
کا بھی غالباً یہی مقصد ہے جس کی صراحت سے
محقق دہلوی قاصر ہے۔ ضیائے دہلوی کا ذوق
بھی غالباً انھین معنون کو پسند کرتا ہے جیسا کہ آپ
نے دلّی کو بچا کر تردید کمال کا سارا بار لکھنؤ پر
ڈالا ہے اور جوش تردید نے مضمون کو گول
گول رکھدیا۔ مؤلف کے خیال مین دلّی اور
لکھنؤ دونون کے فصحا کا استعمال ایسا ہی ہے
جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے اگر ضیا کو اپنی تردید
پر اصرار ہو تو کوئی ایسی سند استادان لکھنؤ کی
پیش فرمائین جس مین جوبن کا استعمال بمعنی
پستان ہوا ہو۔ آپ خود قائل ہین کہ فصحائے
دہلی کو کمال سے اتفاق ہے (اُٹھتا جوبن
انگیا سے نہین چھپ سکتا) یہ بہترین مثال
اس بحث کے تصفیہ کی ہے۔

جون | تحرار شاہجہانپوری فرماتے ہین
کہ بمعنی طرح اب متروک ہے۔ صاحب فرہنگ
آصفیہ نے فرمایا ہے کہ سنسکرت مین جتم تھا
اس سے جوَن ہوا اور جون سے جیون بن
گیا۔ کوئی اشارہ ترک کا آپ نے نہین کیا جلال
نے (سرمایۂ زبان اردو) مین اسکو ترک کیا
ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ استادون کے
کلام مین اس کا استعمال ہے اور ہمارا ذوق
اس کے استعمال کو پسند کرتا ہے بعض استادان
سلف البتہ تارک ہین اپنا اپنا ذوق (سودا
ـــہ) مقدور نہین اس کی تجلّی کے بیان کا ؎
جون شمع سراپا ہو اگر صرف زبان کا ؎ (ذوق
ـــہ) رخسارۂ گلگون کا ہے سرخی سے یہ عالم
جون وقت غضب چہرۂ ترکان خطائی ؟

جون گون | تحرار شاہجہانپوری فرماتے
ہین کہ بمعنی (۱) بہر طور و (۲) بدشواری اب
متروک ہے۔ صاحب فرہنگ آصفیہ نے اس
کا ذکر فرمایا ہے اور کوئی اشارہ غیر فصاحت یا

ترک کا نہین کیا اسی طرح جلال لکہنوی نے (سرمایۂ زبان اردو) مین بھی اردو نون محققین نے اس کو بمعنی اوّل ہی کہا ہے۔ مؤلف عرض کرتا ہے کہ استادون کے کلام مین اس کا استعمال ہے اور ہمارا ذوق بھی اس کے استعمال کو پسند کرتا ہے (ناسخ سے) دن گزر جاتا ہے جون تون رات کٹتی ہی نہین ٭ ناگوارا ہجر مین ہے چاندنی آجائے دہوپ ٭ (مصحفی سے) مرض تہا مصحفی کو صعب تر پر خوب وہ سمجہا ٭ کہ جون تون آپ کو اس نے ترے کوچے مین لا ڈالا ٭ (رنگین سے) اس وحشی کو پہسلاتا ہون اور دام مین جون تون لاتا ہون ٭ نزدیک جب اس کے جاتا ہون ہے مجھ سے پہر وہ ویسا ہی ٭ (داغ سے) اشک پیکر رنج کہا کر ہجر مین ہم ہو گیا جون تون گذارا ہو گیا ٭ قرار نے معنی دوم کی سند کلام شوق سے دی ہے اور ہماری رائے مین وہ معنی اوّل ہی سے متعلق ہے (سے) غرض دن تو جون تون وہ اس کا کٹا ٭ مگر دل نہ اُلفت سے اس کا ہٹا ٭

جون جون قرار شاہجہانپوری فرماتے ہین کہ بمعنی جس قدر اب متروک ہے۔ محقق دہلوی نے فرہنگ آصفیہ مین اور جلال لکہنوی نے (سرمایۂ زبان اردو) مین کوئی اشارہ اس کی غیر فصاحت یا ترک کا نہین کیا مؤلف عرض کرتا ہے استادون کے کلام مین اس کا استعمال ہے ہمارا ذوق اس کے استعمال کو پسند کرتا ہے (ناسخ سے) اس نے تلوارین جڑین فریاد پر جون جون ہمین ٭ ہر دہان زخم سے کرنے لگے فریاد ہم ٭ (امیر سے) مریض عشق پر رحمت خدا کی ٭ مرض بڑہتا گیا جون جون دوا کی ٭

جہان تہان قرار شاہجہانپوری فرماتے ہین کہ بمعنی ہر جگہہ اب متروک ہے صاحب فرہنگ آصفیہ نے اس کی غیر فصاحت یا ترک کا کوئی اشارہ نہین فرمایا مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ استادون کے کلام مین اس کا استعمال ہے لیکن ہمارا ذاتی ذوق

اس کے خلاف ہے (رند سہ) نکالیو نہ قدم آشیان
سے او بلبل * لگائے بیٹھے ہین پھندے جہان
تہان صیاد *

جیم فارسی

چاہنے ہے قمر ارشاد جہان پوری فرماتے
ہین اب یہ بمعنی چاہتا ہے متروک مؤلف عرض
کرتا ہے کہ اگرچہ استادون کے کلام مین اس کا
استعمال ہے۔ لیکن ہمارا ذاتی ذوق اس کے
خلاف ہے (غالب سہ) گریہ چاہے ہے خرابی
مرے کاشانے کی * در و دیوار سے ٹپکے ہے
بیابان ہونا *

چلیو کمال لکہنوی فرماتے ہین کہ یہ اور
اسی طرح سنبہلیو۔ نکلیو بھی متروک ہے اسا
کی جگہ چلو یا چلنا۔ سنبہلو یا سنبہلنا۔ نکلو یا نکلنا
مستعمل۔ ضیاء دہلوی کی رائے کمال کے خلاف
جس کا بیان اُٹھائیو پر گزرا مؤلف نے
اپنا ذوق وہین عرض کیا ہے

چمکے ہے قمر ارشاد جہان پوری فرماتے ہین
کہ بمعنی چمکتی ہے اب متروک مؤلف عرض کرتا
ہے کہ اگرچہ استادون کے کلام مین اس کا استعمال
موجود ہے۔ مگر ہمارا ذاتی ذوق اس کے خلاف
ہے (ذوق سہ) شرارے متصل نکلے یہان تک
سنگ طفلان سے * کہ چمکے ہے سر مجنون پہ بجلی
سنگ باران سے *

حاے حطی

حاتم کمال لکہنوی فرماتے ہین کہ اس کا
استعمال بفتح فوقانی غلط اور کسرے کے ساتھ
صحیح ہے۔ ضیاء دہلوی اس کے خلاف ہین
اس لئے کہ فارسی اور اردو مین اس کا استعمال
فتح فوقانی سے ثابت ہے (صائب سہ) مختصر ہے
قدر کند سلطنت عالم را * ہوس ملک نباشد
پسر ادہم را * کار اکسیر کند ہمت ذاتی صائب *
خاک در دست زر و سیم شود حاتم را * (ناسخ
سہ) صبح فرقت تیرگی شام سے کچھ کم نہین *
چاند نکلا ہے افق سے نیر اعظم نہین * شکل انکی
دیکھکر ہوتا ہے استغنا مجھے * یہ بخیل اس عہد
کے ناسخ کم از حاتم نہین مؤلف عرض کرتا ہے
کہ یہ لغت کسر فوقانی کے ساتھ زبان عربی کا ہے

صاحب منتخب (محقق لغات عرب) نے اس کی
صراحت کی ہے کہ فتح کے ساتھ مشہور ہے اور فارسیون
نے فتح کے ساتھ ہی اس کا استعمال کیا ہے الخ
یہ تفریس ہے پس تاسّخ کا استعمال صحیح اور ہماری
راے مین دونون طرح استعمال ہوسکتا ہے
یعنی بلحاظ صحت لغت بالکسر اور بلحاظ تفریس بالفتح

حروف علت کا تقطیع مین گرانا

لکھنوی فرماتے ہین کہ الف۔ واو و یا ان
تینون حرفون کو عربی اور فارسی الفاظ کے
آخر سے گرانا (جیسا کہ اساتذۂ زبان اردو نے
بیشتر گرایا ہے) ہرگز صحیح نہین ہے۔ شعراے
عجم کے کلام مین ان حرفون کا اسقاط نہین
پایا جاتا پس شعراے اردو جو ان کے مقلد ہین
کیونکر گرا سکتے ہین۔ ضیاے دہلوی فرماتے
ہین الف گرتا ہوا تو اب تک ہماری نظر سے نہین
گزرا عجب نہین کہ کسی کے کلام مین نکلے ہی البتہ
یے کو بعض متقدمین اساتذۂ عجم نے کہین کہین
گرایا ہے اور اساتذۂ ہند نے یے اور واو
دونون کو گرایا ہے جن کے اسناد کی نقل ذیل مین
کی جاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر حرف علت کو عربی
اور فارسی الفاظ کے آخر سے اردو مین کوئی
گرائے تو غلط نہین کہہ سکتے اس لیے کہ استعمال
ہے اور اگر نہ گرائے تو التزام ہے اس کی ذات
کے واسطے گو وہ اپنے نزدیک گرانے کو غلط سمجھے
مگر اساتذہ کو غلط گو اور ناموزون گو قرار دینا
جنون کی دلیل ہے (انتہی) **مؤلف حقیر**
عرض کرتا ہے کہ اب ہم ضیا کے پیش کیے ہوے
اسناد کی نقل ذیل مین۔ اور ہر ایک کی نسبت
اپنا خیال عرض کرتے ہین اور آخر پر اپنا ذوق

(۱) (خاقانی سہ) ہست بہ پیرانش طوف
کنان آفتاب ٭ آرے برگرد قطب چرخ زند
آفتاب ٭ مؤلف کہتا ہے کہ اس مین سقوط
یا نہین ہے بلکہ سکتہ ہے جس کو شعراے عجم
نے جائز قرار دیا ہے یہ سند غیر متعلق از موضوع ہے

(۲) (ولہ سہ) تیر چرخ ورزہ نشانہ ہی در
کمان چرخ وش ٭ گفتی محور راہی راند زخط
استوا ٭ مؤلف عرض کرتا ہے کہ اس شعر کی
نقل کرنے مین تحریف ہوئی ہے یعنی مصرع

ثانی مین کلمۂ رآ برٖا یا گیا ہے نُسخ مطبوعہ و قلمی مین مصرع ثانی حسب ذیل ہے (ع) گفتی این محور ہمی انذر خطاً استوا ؛ بعض نسخ مین لفظ این نہین ہے۔ صورت اوّل مین الف وصل کا سقوط ہے۔ اور صورت ثانی مین سقوط یا نہین ہے بلکہ یکسٹہ جائز ہے۔

(۳) (فرخاری سمرقندی سے) اضداد و شرور جمع چو ہمی آئی بے عدل ؛ انعام کند نطق گہ بخشش انعام ؛ مؤلف عرض کرتا ہے کہ متقدمین (آئی) کو ہمیشہ (آ ئی) ایک یاے معروف کے ساتھ لکھتے تھے اور اسکی رسم الخط صرف الف اور ایک یا اور اسپر ہمزہ ہوتی تھی اور شعر مین بر وزن (فاع) باندہتے تھے اور بعض متقدمین اردو کا بھی یہی رنگ تھا اور رسم الخط بھی ویسی ہی تھی۔ زمانہ حال تک بھی یہی رنگ رہا چنانچہ امیر اللغات مین سارے الفاظ جن مین دو یا معروف ہین اسی طرح ایک یا اور ہمزہ سے مکتوب ہین اور بعض اور کتب مین بھی ایسا ہی پایا گیا ہے اور یہ قدماے فارسی کی پیروی سے ہے۔ لیکن معاصرین اردو نے اصلیت لفظ او قاعدہ تکلم پر غور کرکے اس کو ترک کیا اور دو یا کے ساتھ لکھکر پہلی یے پر ہمزہ دینے لگے اور آئی بروزن فاعل پڑہنے اور باندہنے لگے۔ لیکن معاصرین عجم اب تک اپنے اسی لہجہ پر قائم ہین۔ ان کے استادان معاصر البتہ اس کے تارک ہین۔ لیکن بعض متقدمین و متاخرین سلف کے کلام مین بروزن فاعل بھی پایا گیا ہے۔ الحاصل رسم الخط کے اس طرز نے استادان عجم و ہند کے بعض اشعار مین آئی وشلہ کو اس طرح بند ہوا یا ہے کہ آج ہم دو یا کے لحاظ سے ایک کو تقطیع سے ساقط خیال کرتے ہین اور وہ سمجھ رہے تھے کہ ایک ہی یا اور بروزن فاع ہے اور یہی رنگ فرخاری سمرقندی کے اس شعر کا ہے جس کو ضیا نے بسند سقوط یا پیش کیا ہے یہ ہے حقیقت اون تینون اسناد فارسی کی جنکو ضیا نے سقوط یاے تحتانی کی سند مین پیش فرمایا تھا جن مین سے ایک شعر بھی قابل سند

نہین رہا۔ اب ہم ان شعرائے اردو کے کلام
کی نقل کرتے ہین جس سے ضیا نے استناد کیا ہے
(۴) (جلال سے) آہ اگر سینۂ پرسوز سے اپنے
کھینچون تو دھوئین اٹھین تیرے اے فلک
نیلوفری تو (۵) (اس سے) گر دیدۂ روندۂ اقدس کے
پھیرا کرتا ہے تو ہمین بے فائدہ سیر فلک نیلوفری
ان دونون شعرون سے ضیا نے سقوط واو کی سند
دی ہے مؤلف معترض کرتا ہے کہ چونکہ واو
کی سقوط یا آخر لفظ مین [illegible] اہل کمال کے
خلاف [illegible] ہو سکتی لیکن
باوجود اس کے ہم [illegible]
کرتے ہین [illegible] جلال [illegible]
ان دونون اشعار مین (نیلوفری) باندھا ہو
اور وہ ضرور واقف رہے ہون کہ فارسی
مین (نیلوفر) کا مخفف (نیلفر) مستعمل ہے
(دیکھو برہان قاطع) کاتبین مطبع نے کم
لیاقتی سے اسکو واو کے ساتھ لکھا اور
ضیا نے غور نہ فرما کر یا اغماض نظر سے اپنے
استاد کے کلام کو تردید کمال کیلئے غنیمت سمجھا ہو

(۵) (ناسخ سے) قیس کی قیس جانے ہین لیکن ہم
وحشی ہون آدمی کے جنگل کا ٭ ضیا نے اس شعر
سے سقوط یا کی سند دی ہے اور مؤلف معترض
کرتا ہے کہ ناسخ نے مصرع ثانی مین وحش کا
استعمال کیا ہو صاحب منتہی الارب فرماتے ہین
وحش بالفتح جانور دشتی۔ پس اس حالت
مین تقطیع سے سقوط یا باقی نہ رہا۔ کاتبین
کم سواد مطبع نے دیوان ناسخ مین غلط نقل
کی ہو اور حضرت ضیا نے غور سے کام نہ لیکر
تردید کمال کے لیے اس کو غنیمت سمجھا ہو۔
(۶) (ولی سے) کام خونریزی ہے اُس [illegible] کو
بازاری کا ٭ جان بیچے سو کرے قصد خریداری
کا ٭ اس شعر مین ضیا نے (خونریزی) سے
سند لی ہے اور سقوط یا کو ثابت کرنا چاہا ہے
اور ہمارا خیال یہ ہے کہ استاد (ولی) نے اپنے
کلام مین (خونریز) کا استعمال کیا ہو اور کاتبین
کم سواد نے تحریف کی ہو (خونریز) فارسی مین
بمعنی خونریزی بھی مستعمل ہے (ابوطالب کلیم
سے) بنازم ترک چشمت را کہ ترکش بستہ میخواہد

بخونریز اسیران انچنین با بیمیان بستن (والہ ہروی
سے) در راہم گشت و شرق کشتہ چاندا دبارہ کزینے
خونریز والہ آستین چیدہ و رفت (صائب سے)
تیغست آبدار بخونریز سالان ﴿ ہر آشنا کہ برو
آبرو چکیدہ ﴿ (علی خراسانی سے) نگہ دوانیدہ بنازد
بتقلب خستہ دلان ﴿ چو صف کشیدہ خونریز خلق
مژگانش ﴿ محققین لغات فارسی نے بھی ان
معنون کی صراحت کی ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ
کتال کی تردید کی ضرورت نے غلطی پر غور کرنے نہ دیا
(۷) (آتش سے) شعر مین قافیہ پیمائی بہت کی
آتش ﴿ اب ارادہ ہے مرا بادیہ پیمائی کا ﴿ (منیر
سے) کب دل مرا اثر پہ کہنا نہین کرتے ﴿ تم
اپنی ترشروئی سے چوکا نہین کرتے ﴿ (امیر
سے) رسوائی ہوئی تیری ہی اسے ترک نہین کیا
کیون لاش ہماری سر بازار نکالی ﴿ ضیا نے
ان تینون اشعار مین (قافیہ پیمائی) (ترشروئی)
(رسوائی) کے استعمال سے سقوط یا کی سند دی
ہے مؤلف عرض کرتا ہے ان تینون الفاظ
مین رسم الخط کی وہی بحث ہے جو ہم فرخاری ہمزہ
سے فارسی کلام مین کر چکے ان استادان اردو نے
باتبع سخنوران فرس ان تینون الفاظ کو ایک
یا اور ہمزہ سے لکھا بھی ہے اور پڑھا بھی یعنی
(پیمائی) بروزن مفعول (ترشروئی) بروزن
مفاعل (رسوائی) بروزن مفعول دیکھو نمبر ۳
(۸) (امیر سے) حال ہشیاری کا بیدار دلون
سے پوچھو ﴿ ہم تو غافل رہے غافل گئے غافل
آئے ﴿ ضیا نے (ہشیاری) سے سقوط یا کی سند
لی ہے اور مؤلف عرض کرتا ہے کہ کلام جناب
امیر مینائی مین لفظ ہشیار کا استعمال ہوا ہو اور
کاتبین نے اس کی نقل مین تحریف کی ہو اور
مصححین نے غور و نزاکت سے کام نہ لیا ہو۔
ذوق شاعری اور مصرع ثانی کا لفظ غافل خود
کہہ رہا ہے کہ مصرع اول مین ہشیاری سے ہشیار
بہتر ہے پس اس حالت مین اس سند سے
بھی سقوط یا کا جواز ثابت نہین ہوتا۔ بعض
معاصرین زباندان ہماری اس بحث کو تاویل
کہتے ہین سخنوران نکتہ سنج خود اس کا فیصلہ کرینگے
کہ ہم نے کیا کام کیا ہے۔ استادان سلف کی

ہمہ دانی اور کاتبین مطابع کی تصحیف کی بھرمار کے لحاظ سے ہمارا ایسا خیال کرنا کچھ بیجا نہین ہے۔ اگر آپ استادان زبان اردو یا فارسی کے کلام مین فارسی یا عربی الفاظ مستعملہ سے سقوط حروف علت کی کوئی ایسی سند پیش کرین جس مین سقوط کے تسلیم کرنے کے سوا ہم کو چارہ نہ ہو تو ہم اس کو ان کا تسامح کہین گے اور کبھی اس کی کوشش نہ کرین گے کہ کمال کی تردید کے لئے ایک غلطی کو صحت کا لقب دین اردو شعرا نے اردو الفاظ مین اگر ایسا کیا ہو تو قلعا نہین ہے اس لئے کہ بقول ضیا صاحب یون کا لہجہ اکثر حروف علت کے گرانے کا ہے لیکن ہمارا ذاتی ذوق یہ ہے کہ ہم اردو الفاظ مین بھی سقوط حروف علت کو اچھا نہین سمجھتے۔ اب استادان معاصر خود اس بات کا فیصلہ کر سکتے ہین کہ بیچارے کمال نے کیا برا کیا جو ایک سچی بات کی ہدایت کی ہم اسکو کبھی جنون نہین خیال کرتے۔

حضور | عشرت لکھنوی فرماتے ہین اب یہ لفظ بمعنی سامنے متروک ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ محقق دہلوی (صاحب فرہنگ آصفیہ) نے اس کا ذکر ان معنون مین کیا ہے۔ اور کوئی اشارہ ترک کا نہین فرمایا۔ فارسی مین اس کا استعمال انھین معنون مین ہے اور استادان سلف و معاصر اردو کے کلام مین بھی اس کا استعمال موجود ہے اور ہمارا ذاتی ذوق بھی اس کے استعمال کو پسند کرتا ہے اور بعض استادان معاصر کو بھی ہم سے اتفاق ہے (ناسخ ؎) دل کیا ہین میری آہ کی تاثیر کے حضور ؎ دم بھر مین کردے قطرۂ خون ہر شرار کو ؎

حقا | قرار شاہ جہاں پوری فرماتے ہین کہ اب یہ بمعنی حقیقت مین متروک ہے۔ صاحب فرہنگ آصفیہ نے اس کا ذکر نہین کیا اور نہ جلال نے (سرمایۂ زبان اردو) مین مؤلف عرض کرتا ہے کہ فارسی مین اس کا استعمال بمعنی راستی ہے اور سچ ہے اور بجا استعمل ہے۔ اور انھین معنون مین اردو مین بھی اس کا استعمال ہے (جرأت ؎) حقا کہ تو وہ جنس سے بازار حسن مین ؎

بے اختیار جس پہ خریدار گر پڑے ؎ بعض استادان معاصر بھی اس کے استعمال کو پسند کرتے ہین اور ہمارا ذوق بھی یہی ہے

حورا عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ حورا حور کی جمع غیر فصیح ہے اور مستحسن الترک اور حور مستعمل کمال لکھنوی نے فرمایا ہے کہ حورا مفرد ہے اور حور اس کی جمع لیکن فارسی اور ہندی دونون مین حور مفرد مستعمل ہے پھر حورا کے استعمال کی کیا ضرورت جو غیر فصیح ہے دہلوی نے کمال سے اختلاف کیا ہے آپ فرماتے ہین کہ استادان اردو نے حورا کا استعمال کیا ہے صاحب فرہنگ آصفیہ نے حورا کو ترک فرمایا جس کا یہ مطلب ہے کہ اردو مین مستعمل نہین ہے اور جلال نے (سرمایہ زبان اردو) مین بھی نہین لکھا مؤلف کہتا ہے کہ اگرچہ متعدد استادون نے حورا کا استعمال کیا ہے لیکن ہمارا ذوق ذاتی حور ہی کے استعمال کو پسند کرتا ہے (آتش ۵) غم نہین کوسے بتان مین جو نہین جا خالی ؎ باغ فردوس مین ہے پہلوئے حورا خالی ؎ (بحر ۵) زلف حورا کی ہے زنجیر در خانۂ عشق ؎ صبح فردوس کی ہے شام سیہ خانۂ عشق ؎ (جلال ۵) وہ جواہر ہین ترے اسم گرامی کے حروف ؎ نورتن بازو حورا کے ہین جنپر سے نثار ؎

حیثیت کمال لکھنوی فرماتے ہین کہ اس کا استعمال بتخفیف تحتانی غلط ہے تشدید کے ساتھ صحیح اور اسی طرح خاصیت۔ خیریت۔ علمیت۔ غیریت۔ کیفیت۔ قسیات۔ دہلوی نے اس کی تردید کی ہے اور فرمایا ہے کہ بقول زمخشری عربی مین ضرورت شعر تخفیف و تشدید جائز ہے۔ انوری اور جامی نے تخفیف کو اور ہجری قمی نے کیفیت کو تخفیف کے ساتھ فارسی مین استعمال کیا ہے (بس آپ کی تحقیق اور تصحیح کا لب لباب اسی قدر ہے) مؤلف عرض کرتا ہے کہ جناب نے استعمال اردو کی کوئی سند کیون نہین دی جس کی یہان بحث ہے۔ اب ہم ہر ایک لفظ کا تصفیہ جدا جدا کرتے ہین۔

(۱) حیثیت بقول صاحب غیاث بالتشدید حرف

کا مصدر جعلی ہے (لغات عرب اس سے ساکت) صاحب فرہنگ آصفیہ نے بھی اس کو ترک کیا ہے اور (حیثیت عرفی) اور (حیثیت سے گرنا) کو بلا صراحت اعراب لکھا ہے لیکن مسرور نے اس کا استعمال بتخفیف کیا ہے (س) پہلیکی
سانسے پیرسے تو کھاتے تیری بہ حیثیت مجکو ہے
معلوم حیثیت تیری ہے ہماری راستہ میں یہ بہتر ہے۔ اور اس کا استعمال تخفیف کے ساتھ بھی فصیح نہیں ہے۔

(۳) خاصیت۔ بقول محیط المحیط تشدید صاد و یا کے ساتھ لغت عرب ہے یعنی منسوب بخاص۔ محاورہ فارسی میں اس کا استعمال تخفیف کے ساتھ ہے۔ صاحب فرہنگ آصفیہ نے اردو کا استعمال تشدید کے ساتھ لکھا ہے۔ اور سحر کے کلام میں بھی مشدد ہے (س) جان
آئی تن بیجان میں ملا ہاتھ سے ہاتھ اور
اعضا میں بھی خاصیت لب ہوتی ہے مؤلف کا ذوق تشدید اور تخفیف دونوں کے ساتھ ہے

(۴) خیریت بقول محیط المحیط تشدید کے ساتھ لغت عرب ہے بمعنی جودت و فضل۔ فارسی میں اس کا استعمال نہیں ہے۔ صاحب فرہنگ آصفیہ نے استعمال اردو بہ تشدید یا بمعنی تندرستی و سلامتی لکھا ہے۔ تسلیم نے تخفیف کے ساتھ استعمال کیا ہے (س)
نامہ ونامہ بر سے کیا مطلب مجکو ملتا ہے
خیریت تیری ہو مؤلف کی رائے میں مشدد اور مؤلف کا ذوق تخفیف کے ساتھ ہے۔

(۴) علمیت۔ لغات عرب اس سے ساکت ہیں۔ فارسی محاورہ میں بھی اسکا استعمال نہیں پایا گیا۔ صاحب فرہنگ آصفیہ نے اردو میں یا کی تشدید کے ساتھ لکھا ہے۔ جلیل نے رسالۂ تذکیر و تانیث میں اس کو مشدد تحریر فرمایا ہے۔ مؤلف کی رائے میں مشدد اور مؤلف کا ذوق بھی تشدید کے ساتھ ہے۔

(۵) غیریت۔ بقول محیط المحیط تشدید کے ساتھ لغت عرب ہے بمعنی مخالفت۔ فارسی محاورہ میں اس کا استعمال نہیں پایا گیا۔ صاحب فرہنگ آصفیہ نے بمعنی اجنبیت و بیگانگی

اس کو اردو کا لغت کہا ہے اور بدون تشدید لکھا ہے اور کلام اردو مین ہم کو اس کا استعمال نہین ملا مؤلف کا ذوق تشدید اور تخفیف دونون کے ساتھ ہے

(۶) کیفیت بقول محیط المحیط تشدید کے ساتھ لغت عرب ہے بمعنی حال شئے۔ محاورہ فارسی مین اس کا استعمال تخفیف کے ساتھ بھی ہے۔ صاحب فرہنگ آصفیہ نے اردو مین تشدید کے ساتھ لکھا ہے (امیر ؒ) بجا ہے گر تغیر آگیا اعضا مین پیری سے ٭ سحر ہوتے ہی کیفیت بدل جاتی ہے محفل کی ٭ (نصیر ؒ) بادہ کشی کے سکھلاتے ہین کیا ہی قرینے ساون بھادون ٭ کیفیت کے جو ہم نے دیکھے دو ہین مہینے ساون بھادون ٭ صاحب فرہنگ آصفیہ نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ فارسی اور اردو والے بلا تشدید اکثر استعمال کرتے ہین مؤلف کو آپ سے اتفاق ہے۔

(۷) شعریت۔ لغات عرب اس سے ساکت ہین فارسی محاورہ مین اس کا استعمال نہین پایا گیا صاحب فرہنگ آصفیہ نے اس کو عربی کہا ہے اور تشدید کے ساتھ لکھا ہے۔ کلام اردو مین اس کا استعمال نہین ملا۔ مؤلف اس کو مہمل خیال کرتا ہے اور مؤلف کا ذوق تخفیف کو پسند کرتا ہے

خاصیت | دیکھو حیثیت جس پر اس کا بیان ہے

خضر | کمال لکھنوی فرماتے ہین کہ بکسر اول و فتح دوم غلط ہے۔ ضیائے دہلوی نے (صبا حی کاشی) کے کلام سے فارسی کی سند دی ہے اور اردو مین ذوق دہلوی سے (ؒ) دشت جنون مین کون مجھے راہ بر ملے ٭ گر غول بھی ملے تو یہ جانون خضر ملے ٭ (ولہ ؒ) زخمی ہون مین اس ناوک دزدیدہ نظر سے ٭ جائیگا نہین جو ترے زخم جگر سے ٭ اے ذوق کسی ہمدم دیرینہ کا ملنا ٭ بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے مؤلف عرض کرتا ہے کہ یہ لغت عربی میں بالکسر اور بفتح خا و کسر ضاد معجمہ ہے مگر فارسیون نے بکسر اول و فتح دوم بھی استعمال کیا ہے (عز الدین کاشی ؒ) او بے وفا و بخت بد و آہ نارسا ٭ در آرزوی دیدہ دگر زیستن چہ سود ٭ گر آرزو نداری دل بایدت چرا ٭ گر عشق نیست مثل خضر زیستن چہ سود ٭ (صہبائے کشمی ؒ) ہر گاہ کشد پیکان ناوک نظر تیز

دل شد نشانۂ زبان پس جگر تیر ۂ در جستجو یش
چون باد تکیا ۂ سر پریشان من ہم خضر تیر ۂ
صاحب فرہنگ آصفیہ نے فرمایا ہے یہ لفظ بکسر
اوّل وسکون دوم اور بفتح اوّل وسکون ثانی
اساتذۂ فارس کے کلام میں اور بکسر اوّل وفتح
دوم بعض متاخرین فارس اور اردو کے اشعار
میں اور بشمول عوام الناس اردو دان کی بول چال
میں پایا جاتا ہے لیکن شعرائے اردو نے
اکثر متقدمین فارس کا تتبع کیا ہے (غالب ؎)
وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناس خلق اے خضر
نہ تم کہ چور بنے عمر جاوداں کے لئے ۂ (عارف
؎) نے کر بھر بھر ہم کو گزارین بادہ خواری میں
خضر کی طرح کیون پہر کے ہستی رائیگان کھوئے
(آتش ؎) عمر خضر سے اس کی زیادہ ہو زندگی
جو دیر وقت پیئے جو یار کی زلف دراز کا ۂ مؤلف
عرض کرتا ہے کہ ہمارا ذوق۔ ذوق۔ غالب
عارف اور آتش سے موافق ہے۔ ہم کو کسی
سے اتفاق نہیں۔

خفگی آکمال لکھنوی فرماتے ہیں کہ اس کا
استعمال بمعنی آزردگی وناخوشی بفتحتین غلط ہے
اور بسکون دوم صحیح ہے۔ ضیائے دہلوی نے
فرمایا ہے کہ دونون طرح صحیح ہے۔ صاحب
غیاث اللغات نے اس لفظ کو فارسی کہا ہے
اور بسکون ثانی غلط لکھا ہے آپ فرماتے ہین کہ
اس کے معنے افسردگی گلو اور ضبط غضب اور
آزردگی خاطر ہین۔ صاحب فرہنگ آصفیہ نے
اس کو بسکون دوم بمعنی ناراضی وناخوشی
وغضب اردو کہا ہے اور جلال نے بھی (رسالہ
سرمایۂ زبان اردو) مین بالفتح بمعنی آزردگی
لکھا ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ خفہ بفتحتین
بند گلو کے معنون مین زبان فارسی کا
لغت ہے جس کا ذکر اہل لغت نے کیا ہے اور
یہ اسم مصدر ہے اور اسی کا مصدر خفیدن
بمعنی گلو فشردن آیا ہے اور اسی کا حاصل
بالمصدر خفگی بفتحتین۔ صاحب غیاث نے
خفگی کے معنون مین آزردگی خاطر کو خلاف
محاورۂ عجم داخل کر دیا ہے اور حق یہی ہے کہ
اردو والون نے ان معنون مین اس کو ہند

کر لیا ہے اور استعمال اردو سکون دوم کے ساتھ
ہے۔ کمال لکھنوی نے سچ کہا کہ اس کا استعمال
بمعنی آزردگی فتح اول و دوم کے ساتھ غلط ہے
ان معنون مین ہم کو تصنیف کا لحاظ کرنا چاہیے اور
تصنیف بسکون دوم ہے۔ صاحب غیاث اور
اس کا نقل نگار صاحب فرہنگ اندراج نے
غلطی کی جو اس لفظ خمار کو آزردگی کے معنون
مین خواہ مخواہ فارسی قرار دیا اور اس پر طرہ
یہ کہ ان معنون مین فتح اول و دوم کی ہدایت
بھی کی ان کی یہ ہدایت اس [illegible] کے ساتھ
گلا گھونٹنے کی حد تک صحیح ہے۔ کمال کا احسان
ہے کہ اس نازک غلطی سے ہم کو آگاہ کیا۔ فتح اول
و دوم کے ساتھ اسی وقت اس کا استعمال صحیح
مانا جا سکتا ہے جب کہ کسی استاد زبان اردو کی
سند پیش ہو۔ ضیا کا ارشاد مجرد کوئی چیز نہین ہے

خمار | کمال لکھنوی (ذیل مخمور) فرماتے ہین
کہ بمعنی زوال مستی ہے۔ ضیاے دہلوی نے
بعنوان تصحیح فرمایا ہے کہ بمعنی ہست [illegible]
و حالت نشہ فارسی مین مستعمل اور یہ [illegible]
ناصری مین اور استادان فارسی سے ساتھ
اساتذہ ہند کے کلام مین اس کا استعمال ہے (الخ)۔
محقق دہلوی یعنی صاحب فرہنگ آصفیہ نے
اس کے بمعنی (۱) نشہ۔ سرور۔ مستی شراب۔
و (۲) بقیہ مستی اور نشہ اترنے کا کسل (عربی)
لکھا ہے۔ اور معنی اول کے استعمال اردو کے
لیے ناسخ کی سند دی ہے۔ مؤلف حقیر
عرض کرتا ہے کہ بقول محیط المحیط عربی مین خمار
کے معنے (شراب کا درد سر اور تکلیف) اور
بقول منتہی الارب (بقیہ مستی و درد سر و کرب
و تب و صداع و رنج آن) لغات فارسی سے
برہان قاطع و برہان جامع نے بالاتفاق کہا
ہے (نام شہرے از ملک ختا و ختن [illegible] خوبرویان
و در عربی ملالت و کدورت و کلفتے کہ بعد از
رفتن کیفیت شراب و غیرہ حاصل شود) خان
آرزو نے سراج اللغات مین فرمایا ہے (در
عربی بقیہ مستی و در فارسی بقول [illegible] کلفتے
کہ بعد شراب خوردن از درد سر [illegible] باقی
[illegible] شہرے از ختا [illegible]

خیز است (صاحب فرہنگ رشیدی فرماتے ہیں
کہ (در عربی معروف و شہریست در ملک ختا
بخوبان (فرخی سلمہ) تو یار خداے ہمہ خوبان
خاری ٭ در عشق تو ہر روز مرا تازہ خمار است ٭
صاحب لغات سروری نے لکھا ہے (در
فرہنگ نام شہریست منسوب بخوبان در ختا
و بعربی ملالے کہ بعد از کیف شراب بہم رسد
و مثال ہر دو معنی از کلام فرخی پیداست) (یہ
فرخی کا وہی کلام ہے جس کی نقل قول رشیدی
میں گزری) صاحب فرہنگ ناصری کا قول ہے
(بضم اول نام شہرے در ترکستان منسوب بخوبان
کہ در کلام حکیم فرخی مذکور و بعربی درد سر است
و من نیز گفتہ ام (ب) کاخ تو چو فرخار زیب نگاران
خجندی ٭ قصر تو چو نوشاد ز خوبان خاری ٭ چو خوبان
خاری ہمہ در بزم تو سرمست ٭ با زلف پریشان
و چشمان خماری ٭) اب مؤلف حقیر عرض
کرتا ہے کہ ضیا نے دہلوی نے اسکو بمعنی مست
و بیہوش (۱) حالت نشہ اور صاحب فرہنگ تحقیقیہ
نے بمعنی نشہ و سرور مستی شراب جو لکھا ہے

ان معنوں سے لغات عربی و فارسی دونوں
ساکت اور ضیا نے اپنے بیان کئے ہوئے
دونوں معنوں کی نسبت (فرہنگ ناصری)
کا جو حوالہ دیا ہے وہ غیر صحیح ہے اب رہیں
کلام استادان فارس کی وہ اسناد جن سے ضیا
نے اپنے قول کا استدلال فرمایا ہے وہ حسب
ذیل ہیں (۱) پہلی سند حکیم فرخی کا وہی
کلام ہے جو اوپر مذکور ہوا جس کے مصرع اول
میں (خوبان خاری) سے ملک خار کے خوبان مراد
ہیں اور مصرع ثانی میں (تازہ خمار) سے وہی
عربی معنے مراد ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا۔ ضیا نے
مصرع ثانی میں (تازہ خمار) بمعنی تازہ مستی
عشق لیا ہے۔ ہمارا ذوق سخن اسکو بمعنی
تازہ کلفت خیال کرتا ہے (۲) ضیا کی دوسری
سند صائب کے کلام سے ہے (بیت) پیاسے
زندگی خضر ہم آبے سیہ ٭ مستور از دو چشم سیہ
خماری ریزد ٭ شاعر نے (دو چشم) سے معشوق
کی آنکھ کا استعارہ کیا ہے اور خمار سے (خمار
چشم) مراد ہے۔ اور خمار سیوں نے (چشم

پر خمار کا بھی استعمال کیا ہے اس کے معنی چڑھی
ہوئی آنکھیں اور یہ کیفیت یا تو حالت بخار میں
ہوتی ہے یا حالت خمار میں یعنی تپ کے بیمار
اور مخمور کی آنکھیں ہمیشہ چڑھی ہوئی ہوتی ہیں۔
اور انھیں کو مخمور آنکھیں بھی کہتے ہیں۔ ضیا نے
اس شعر صائب میں بھی خمار بمعنی مستی سمجھا ہے
اور ہم بمعنی خمار چشم خیال کرتے ہیں (۳) ضیا
کی تیسری سند اسیری لاہجی کے کلام سے ہے۔
(ب) روزیکہ از شراب و ز ساغر نبود نام * جام
ز جام وصل تو مست و خمار بود * ضیا نے اس شعر
میں خمار بمعنی مست و مخمور لیا ہے مؤلف معیار عرض
کرتا ہے کہ یہاں فارسیوں نے خمار کو بمعنی مخمور
استعمال کیا ہے اور مخمور سے خمار دار زدہ مراد
ہے یعنی بقیہ مستی شراب از زدہ اس استعمال
کا ذکر صاحب بہار عجم نے بھی کیا ہے اور انھیں
مضمون میں اسیری کا دوسرا شعر بھی ہے (ب)
گذر چشمش مست بودم کہ خمار * گر ز راہ اشک بشرین
بے قرار * اب شعر اسیری کا خیال جن کو اردو
کے ساتھ فارسی شاعری کا بھی ذوق ہے غور

فرمائیں کہ اسیری کے پہلے شعر میں (مست و
خمار) میں تکرار سے لطف ملتا ہے یا مغالطہ ہے
اس تصفیہ میں مصرع اول کا مضمون بہت مدد
دیگا۔ اور اسیری کے دوسرے شعر نے تو (نگاہ
مست و نگاہ خمار) سے صاف ظاہر کر دیا ہے کہ
کہ خمار سے مخمور مراد ہے اور مخمور سے ہرگز مست مراد
نہیں ہے بلکہ خمار زدہ و مبتلائے خمار یعنی بقیہ
مستی کی کلفت میں مبتلا اور اسی استعمال میں
میرزا جلال اسیر کے کلام نے تو معاملہ کو اور صاف
کر دیا (ب) بلائے شب جمعہ واگشتہ از سر *
خماریم ساقی بدہ می * اب ملاحظہ فرمایا جائے
کہ یہاں (خماریم) کیا بمعنی مخموریم نہیں ہے (بے
شک ہے) اور مخموریم کیا بمعنی مستیم ہے (کبھی
نہیں) بلکہ بمعنی (مبتلائے کلفت بقیہ مستی ایم)
ہے (فتامل) (۴) ضیا کی چوتھی سند کلام خواجہ
حافظ سے ہے (ب) خمار عشق تو دوشب درانـ
رونم بود * کجاست وقت عبادت چہ وقت حیا
و عبادت * غالباً ضیا نے (لا تقربوا الصلوٰۃ و
انتم سکاریٰ) پر خیال فرما کر یہاں خمار کو بمعنی مستی

لیا ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ خلاف لغت عرب و
فرس بلبل شیراز پر ایک انوکھے نغمے کا اتہام نہ
لگانا چاہئے۔ ہر گاہ خمار کے معنون مین تکلیف
کے ساتھ بقیۂ مستی بھی ہے تو خمار زدہ بھی حالت
خمار مین نماز نہین پڑھ سکتا اس لئے کہ خمار مین
بھی مستی کا وجود ہے (۵) ضیا کی پانچوین سند صبا
کاشی کے کلام سے ہے (س) ساقی دوران
اگر بہ بجام خاک ریخت چہ کا ہے اندر گلستان
بے بادہ چشمش را خمار ﴿ ضیا نے اس شعر مین
بھی خمار کے معنے مستی کے لئے ہین درحالیکہ
شاعر کا مقصد (آنکھین چڑھی ہوئی) آنکھون سے
ہے جس کی صراحت ہم نے دوسری سند پر کی
ہے مستی سے یہان کوئی تعلق نہین ہے۔
(نقاق) (۶) ضیا کی چھٹی سند (رفیق اصفہانی)
کے کلام سے ہے (س) راحت و رنج است علت
بہر احباب و عدو ﴿ چون خمار ہے کہ او ہم مستی و
ہم دردسر ﴿ شعرا سے نازک خیال کو اس شعر
سے بڑا لطف آئیگا۔ مدعی کا شاہد فریق مقابل
کے حق مین شہادت دے رہا ہے خمار مین بقول
محققین عرب و عجم (بقیۂ مستی و دردسر) موجود ہے
جس کو شاعر نے صاف لفظون مین بیان کیا ہے
نہ معلوم ضیا نے اس شعر کو اپنے مطلب کے موافق
کیونکر سمجھا۔ (۷) ضیا کی آخری سند قاآنی
کے کلام سے ہے (س) بجز از چشم او ندیدہ کسی
ترک بے بادہ در خمار بود ﴿ مؤلف عرض کرتا
ہے کہ یہان بھی خمار اپنے عربی معنون مین ہے
مستی کے فرضی معنے لینے کی ضرورت نہین ہے
جن کا استعمال نہ عربون نے کیا اور نہ فارسیون
نے پھر ضرورت ہی کیا ہے کہ حقیقی معنون سے
لطف شعر حاصل ہونے کے باوجود خواہ نخواہ
فرضی معنون سے کام لیا جائے۔ مؤلف
عرض کرتا ہے کہ ضیا کی پیش کی ہوئی ساتون
سندون سے کسی سند نے بھی ہم کو مجبور نہین کیا
کہ ہم اُن کے قائم کئے ہوئے جدید معنون سے
کام لین برخلاف اس کے فارسیون کا کلام
حقیقی معنون کے استعمال کے ساتھ بھرا پڑا
ہے جس کی نقل صاحب بہار عجم نے کی ہے جس
مین خمار کا تمام تر استعمال فرس بمعنی حقیقی ہے

جس کا ذکر محققین عربی و فارسی نے بالاتفاق کیا ہے
اب ہم ضیا کی اس سند کو معرض ناظرین کے
ملاحظہ میں پیش کرتے ہیں جو اردو استعمال کے
متعلق اپنے بیان کئے ہوئے معانی (مست و
بیہوش و حالت نشہ) کے ثبوت میں استاد جلال
کے کلام سے پیش کی گئی ہے (س) کیا یاد
آرہی ہیں کسی شوخ مست کی کچھ بند کچھ (خمار
میں آنکھیں کھلی ہوئیں) اور پھر ضیا ہی سے
ہمارا سوال ہے کہ یہ آپ کا شاہد آپ کے موافق
ہے یا ہمارے موافق۔ اور پھر ہم ناسخ کے اس
شعر کو ہدیہ ناظرین کرتے ہیں جس کو محقق دہلوی
یعنی صاحب فرہنگ آصفیہ نے بہ سند معنی
(نشہ و سرور و مستی شراب) پیش فرمایا ہے
(س) شکست پائی ہے توبہ کی طرح اسنے بھی
ہمارے پاس جو اسکے تو خمار آیا ہے مؤلفہ
عرض کرتا ہے کہ آپ ہی فرمائیں کہ اس سند سے
آپ کے دعوے کو شکست ہوئی یا ہمارے۔
سچ یہ ہے کہ محقق دہلوی کا تسامح ہے کہ آپ نے
خمار کو (عربی) میں بمعنی نشہ و سرور لکھا اور
ضیائے دہلوی کی بھی غلطی ہے کہ آپ نے بمعنی
(مست و بیہوش و حالت نشہ) فارسیوں کا
استعمال کہا۔ ہماری رائے اور ہمارا ذوق
یہ ہے کہ ان معنوں میں اردو میں بھی مستعمل
نہیں ہے اور استعمال اردو سے دونوں اہل زبان
یعنی جلال و ناسخ سے محقق دہلوی اور ضیا
کا دعوی ثابت نہیں ہوا۔ اگر دلی کے اس استعمال
پر اصرار ہے تو ہم ان دونوں بزرگوں کے ادعا
کو بلحاظ اس کے کہ دونوں خود دلی کے ہیں۔ دلی
میں مان سکتے ہیں لیکن فارس اور لکھنؤ کے
لئے بغیر شہادت جدید نہیں مان سکتے اور ہماری
رائے میں کمال لکھنوی کا دعوی صحیح نظر آتا
ہے (انصاف بالائے طاعت است)

(۱) خودرفتگی یا (۲) خودرفتہ | کمال لکھنوی [illegible]
کا استعمال غلط ہے۔ از خود رفتگی و از خود رفتہ
صحیح۔ ضیائے دہلوی فرماتے ہیں کہ قلق لکھنوی
کے کلام میں اس کا استعمال ہوا ہے (قلق
(س) بہ تیر ابہام ہے جس کا دھیان خود رفتگی کو
چلے تھے ہم کلیسا کی طرف کعبے کو جا نکلے [illegible]

؎) یار خود رفتہ ہے شکوہ ہے فراموشی مجھ کو گوش کر اسکو سلے ہیں لب خاموش مجھے ؎ مؤلف عرض کرتا ہے کہ صاحب فرہنگ آصفیہ نے (خود رفتگی) بمعنی بے خودی اور (خود رفتہ) بمعنی بے خود قائم کیا ہے ۔ ضیا کے استاد یعنی جلال لکھنوی نے اپنی تالیف (سرمایۂ زبان اردو) میں ان دونوں کو ترک کیا ہے اور جناب امیر نے امیر اللغات میں (از خود رفتہ) بمعنی بے خود قائم فرمایا ہے ۔ اور رند و آتش کی سند دی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ (خود رفتگی و خود رفتہ) کا استعمال دلی میں ہے اور (از خود رفتہ) کا استعمال لکھنؤ میں اور فارسی میں (از خود رفتن) بمعنی بے خود شدن اور (از خود رفتہ) بمعنی بے خود مستعمل ہے (دیکھو آصف اللغات) اور (از خود رفتگی) اسی مصدر کا حاصل بالمصدر ہے برخلاف اس کے (خود رفتگی و خود رفتہ) محاورۂ فارسی میں مستعمل نہیں ہے (دلی) کے استعمال کو ہم دلی کی خاطر سے چھند لکھ سکتے ہیں لیکن جلال و امیر کی احتیاط کو کمال کے موافق پاتے ہیں ۔ جو شعرا ان الفاظ کا استعمال بر سبیل تہدید کریں ۔ ہم اون پر اعتراض نہیں کرتے اور کمال کے قول کی تردید کو انصاف نہیں سمجھتے ۔ ہماری رائے میں کمال لکھنوی نے بہت نازک غلطی سے شعرائے معاصر اردو کو آگاہ کیا ۔

خوش عشرت لکھنوی فرماتے ہیں کہ یہ بمعنی حقیقی بقافیہ غش جیسا کہ ناسخ نے استعمال کیا ہے قابل ترک ہے (ناسخ ؎) آج خلوت میں دل مرا خوش ہے ؎ ساقی سیم ساق مہوش ہے ؎ ہم سفر وہ ہے جس پہ جی غش ہے ؎ [illegible] مقام اش اش ہے ؎ مؤلف عرض کرتا ہے کہ یہ بالفتح و واو معدولہ فارسی زبان کا لفظ اور معاصرین عجم کا استعمال ضمۂ خاے معجمہ کے ساتھ ہے اردو میں اس کا استعمال ضمۂ اول ہی کے ساتھ پایا جاتا ہے اور جلال لکھنوی نے (سرمایۂ زبان اردو) میں اس کے بعض مرکبات کو بھی ضمۂ اول کے ساتھ لکھا

اور زبان اردو کا یہ تصرف اس لئے بر سبیل
تضعیف نہیں کہا جاسکتا کہ معاصرین عجم کی زبان
پر بھی ضمہ کے ساتھ ہے۔ الحاصل ناسخ کا استعمال
بلحاظ صوت لفظ صحیح ہے لیکن مؤلف کا ذوق
ضمہ اول کو پسند کرتا ہے اور استادان معاصر کو
کمال سے اتفاق ہے۔

خوشی | قمر شاہجہان پوری اور عشرت لکھنوی
فرماتے ہیں کہ اس کا استعمال بمعنی خوش اب
متروک ہے۔ صاحب فرہنگ آصفیہ نے
(خوشی) کو بمعنی سرور وانبساط لکھا ہے اور
(خوشی خوشی) کو بمعنی خوشی سے مؤلف عرض
کرتا ہے کہ اگرچہ آتش کے کلام میں خوشی بمعنی
خوش مستعمل ہے لیکن ہمارا ذوق اس کے
خلاف ہے (آتش سے) بہار گلستان کی ہے
آمد آمد ٭ خوشی پھرتے ہیں باغبان کیسے کیسے٭
اس لفظ کی تکرار البتہ ہمارے ذوق کے موافق
ہے جیسے ٭ خوشی خوشی ہم وہاں ہو آئے ۔

خون | قمر شاہجہان پوری فرماتے ہیں
کہ اس کا استعمال بمعنی حقیقی باخفائے نون اب
متروک ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ یہ فارسی
زبان کا لفظ ہے غالب نے اس کا استعمال
باخفائے نون کیا ہے (سے) ضعف سے آ
گریہ کچھ باقی مرے تن میں نہیں ٭ رنگ ہو کر
اڑ گیا جو خون کہ دامن میں نہیں ٭ استادان
معاصر کو قرار سے اتفاق نہیں۔ ہمارا ذوق
اخفا و اظہار نون دونوں کو پسند کرتا ہے۔

خون جگر کھا لینا | عشرت لکھنوی فرماتے
ہیں یہ اب متروک ہے اور اسکی جگہ خون جگر پی لینا
مستعمل مؤلف عرض کرتا ہے کہ صاحب
فرہنگ آصفیہ نے (خون جگر پینا اور کھانا)
دونوں کو قائم کیا ہے۔ اور جلال لکھنوی نے
بھی اپنی تالیف (سرمایۂ زبان اردو) میں
(خون جگر کھانا) کو لکھا ہے۔ استادان معاصر
بھی اس کا استعمال کرتے ہیں۔ فارسیوں نے
بھی (خون جگر خوردن) کا استعمال کیا ہے
الحاصل ہمارا ذوق اس کے استعمال کو پسند
کرتا ہے (داغ سے) کھا لیا ہم نے شب ہجر میں
سب خون جگر ٭ روز فرقت میں اب صاف

گزر جائے گا ۔

خونخواری | عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ سقوط یاء کے ساتھ ۔ اب اس کا استعمال متروک ہے اور ناسخ کے کلام مین اس کا استعمال ہے (ناسخ ہے) شب وصل مین یا ہاتھ سے تلوار نہ چھوٹی ۔ خونخواری کی عادت ہے جوائے یار نہ چھوٹی ۔ مولف عرض کرتا ہے کہ ہم نے سقوط حروف علت کی مفصل بحث ردیف حائے حطی مین کی ہے اور ہم کو عشرت لکھنوی سے اتفاق ہے ۔ بعض نسخ قلمی دیوان ناسخ مین ہم نے مصرع ثانی مین بجائے (خونخواری) لفظ (خونخوار) دیکھا ہے کچھ عجب نہین کہ ناسخ نے خونخوار کا استعمال اس شعر مین کیا ہو اور کاتبین مطبع نے اس کو بہ تحریف (خونخواری) لکھدیا ہو ۔ قدما کے اکثر مطبوعہ کلام مین ایسی تحریفین پائی گئی ہین جن کی وجہ سے ناحق اون پر معاصرین کو اعتراضات کا موقع ملا ہے ۔ بالفعل اردو کا یہ خیال کہ بعض قدما نے فارسی اور عربی الفاظ مین یا کا سقوط جائز رکھا ہے) ہماری رائے کے خلاف ہے ۔ اگر ہم مصرع ثانی مین بعوض خونخواری (خونخوار) کو صحیح سمجھین تو معنی شعر مین کوئی نقصان نہین پیدا ہوتا بلکہ اس موقع پر ذوق زبان (خونخوار) کو (خونخواری) سے بہتر سمجھتا ہے ۔

خیریت | دیکھو خیثیت جس پر اس کا بیان ہے

دال مہملہ

دانت جھڑنا | عشرت لکھنوی فرماتے ہین ۔ اب یہ متروک ہے اور اس کے عوض دانت گرنا مستعمل ہے ۔ صاحب فرہنگ آصفیہ نے اس کا ذکر کیا ہے ۔ اور کوئی اشارہ تغیر فصاحت کا نہین کیا ۔ مولف عرض کرتا ہے ذوق کے کلام مین بھی اس کا استعمال ہے اور ہمارا ذوق ذاتی بھی اس کے موافق اور بعض استادان معاصر بھی اس کے استعمال کو پسند کرتے ہین (ذوق ہے) مارے اگر سیلی وہ زلف بہ عرق تو جھڑین دندان دہان مار سے ۔

دولا | قمر ارشاد جہان پوری فرماتے ہین کہ اب اس کا استعمال بمعنی ابدال متروک ہے کمال لکھنوی نے فرمایا ہے کہ اسی طرح ترا پیا۔ ناصحا۔ واعظا بھی متروک ہو گیا ہے دہلوی کو کمال سے اختلاف۔ اور فصحاے معاصر کے کلام مین اس کا استعمال موجود ہے دیگر شعراے معاصر نے بھی اس کے استعمال کو پسند کیا ہے مؤلف کا ذوق بھی قمر و کمال کے خلاف ہے (امیر سے) دولا تم سے کلام اس کا
دلربا کا نہ ستم کا ہے نہ آشنا سے آشنا کوئی ؛

دل کھول کر کے | قمر ارشاد جہان پوری فرماتے ہین اب یہ متروک اور (دل کھول کے) مستعمل ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ متقدمین کے کلام مین اس کا استعمال ہے اور اس کی فصاحت مین کوئی شبہ نہین لیکن ہمارا ذاتی ذوق اس کے خلاف ہے (سودا سے)
کون ایسا ہے کہ یہ سودا کئی مین اس کی ؛
لا تجھ کو لے چلین ہم دل کھول کر کے رو لے ؛

دم نہین | قمر ارشاد جہان پوری فرماتے ہین کہ اب اس کی جگہ (ایک دم نہین) مستعمل ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ صاحب فرہنگ آصفیہ نے اس کا ذکر کیا ہے اور کوئی اشارہ متروک ہونے کا نہین فرمایا۔ فصحا کے کلام مین اس کا استعمال موجود اور ہمارا ذوق اس کے استعمال کو پسند کرتا ہے (جرأت سے) کر لگا یا نہین کچھ
اس سے کسی نے تو بھلا ؛ دم نہین آزردہ
وہ سر یار ہو کس باعث ؛ (امانت سے)
جانے ہی پھر گیا پھر دیا منہ دم نہین ؛ دل گرا
کر کے اگر تیر قولاد آیا ؛

دم ہوچکا | عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ اب اس کے عوض (دم آ پہنچا) مستعمل ہے استادان معاصر کو عشرت سے اتفاق نہین (داغ سے) بحر الفت سے نکالے نہ آشنا ؛
تھک گیا ہون مجھے بین دم ابھی ہو چکا ؛ مؤلف کا ذاتی ذوق بھی اس کے استعمال کو پسند کرتا ہے

دولت | قمر ارشاد جہان پوری فرماتے ہین کہ اب یہ بمعنی (ذریعہ) (بدولت) باعث متروک ہے۔ استادان معاصر نے اس کا

استعمال فرمایا ہے (ناسخ سلمہ) نقد جان مانگے جو سائل کو سے جانان کا تو دون چاندنون مین عشق کی دولت بڑا حاتم ہوا ہو (ذوق سلمہ) نہ دیکھی کیسی کیسی آفت جہان مین ہم نے تمہارے باعث ہوا اور آگے کیا کیا غم والم ہم تمہاری دولت نہ دیکھ لینگے ہو مؤلف عرض کرتا ہے کہ فارسیون نے بھی اس موقع پر (بدولت) کا استعمال کیا ہے (دیکھو آصف اللغات) فارسی اور عربی مین صرف (دولت) کا استعمال بمعنی بدولت نہین ہے۔ اردو مین صاحب فرہنگ آصفیہ نے بھی (بدولت) کو ان معنون مین قائم فرمایا ہے اور (دولت) پر صراحت کی ہے کہ بمعنی بدولت (اردو) ہے۔ ہم عرض کرتے ہین کہ اردو نہین بلکہ ہندی ہے۔ اگرچہ استادان سلف کے کلام مین اس کا استعمال ہے لیکن ہمارا ذوق ذاتی اسکو نہین پسند کرتا۔

دون کی لینا عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ بمعنی ڈینگ مارنا تعلّی کرنا شیخی بگھارنا ہے متروک ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ جلال نے (سرمایۂ زبان اردو) مین اور محقق دہلوی نے (فرہنگ آصفیہ) مین اس کو قائم کیا ہے اور (قمر اللغات) مؤلفہ قمر ارشاد جہان پوری مین بھی (جو زمانۂ حال کی فرہنگ ہے) اس اصطلاح کا ذکر ہے۔ اور کسی نے اس کی غیر فصاحت کا کوئی اشارہ نہین کیا اور استادان معاصر کے کلام مین اس کا استعمال موجود اور ہمارے ذوق ذاتی کے موافق ہے (امیر سلمہ) بس بس زبان روک لو آتا نہ بڑھ چلو ہو ہم چپ ہین آپ دون کی سو بار لے چکے ہو

دھرنا بقول عشرت و کمال لکھنوی اب اس کا استعمال بمعنی رکھنا متروک ہے اور ضیاے دہلوی کو کمال سے اختلاف مؤلف عرض کرتا ہے کہ محقق دہلوی نے (فرہنگ آصفیہ) مین اور امیر جلال نے (سرمایۂ زبان اردو) مین اس کا ذکر کیا ہے اور کوئی اشارہ اس کی غیر فصاحت کا نہین کیا استادان سلف اور معاصرین کے کلام مین اس کا استعمال ہے اور ہمارا ذوق ذاتی بھی اس کے استعمال

کو پسند کرتا ہے (ناسخ سے) کاوشین اب تک چلی
جاتی ہین گو مین مر گیا ؎ جاے گل کانٹے مری تربت
پہ ظالم دہر گیا ؎ (امیر سے) نہ ہوئی کسی نے ایہین
خبر کہ گیا جہان سے کوئی گذر ؎ اسی آرزو مین کسی کا
پہر مری لاش در پہ دہری رہی ؎ (ولہ سے)
لگاتے ہین جو سرمہ آینے کو دہرتے ہین ؎
ستم دیکہو وہ اپنی چتونون سے آپ ڈرتے ہین ؎
(جلال سے) دل کہچے آتے تہے کیا کہنچے اسکی
تصویر ؎ سینے پر ہاتہ دہرے مانی و بہزاد آئی ؎

دہول دہپا عشرت لکہنوی فرماتے ہین کہ
اب اس کا استعمال متروک ہے مؤلف عرض کرتا
ہے کہ محقق دہلوی نے (فرہنگ آصفیہ) مین اور
جلال نے (سرمایۂ زبان اردو) مین اس کا ذکر کیا
ہے اور کوئی اشارہ غیر فصاحت اور ترک کا نہین
کیا - استادان معاصر کو عشرت سے اتفاق نہین
اور ہمارا ذوق ذاتی بہی یہی ہے (غالب سے)
دہول دہپا اس سراپا ناز کا شیوہ نہ تہا ؎ ہم ہی
کر بیٹھے تہے غالب پیش دستی ایک دن ؎

دیکہو قرار شاہجہانپوری فرماتے ہین کہ بمعنی
(دینا) قابل ترک ہے مؤلف عرض کرتا ہے
کہ اگرچہ سودا کے کلام مین اس کا استعمال ہے
لیکن ہمارا ذوق بہی اسکے استعمال کے خلاف
ہے (سودا سے) یہ وصیت کرکے بلبل باغبان
سے مر گئی ؎ غسل مجہکو کر گئی تحت چمن پہ دیجیو ؎

دیر عشرت لکہنوی فرماتے ہین کہ اب بیاے
معروف متروک مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ
ناسخ کے کلام مین اس کا استعمال ہے لیکن ہمارے
ذوق کے خلاف (ناسخ سے) ہم نمازون مین جو
تا دیر کہڑے رہتے ہین ؎ سامنے یہ بت بے پیر
کہڑے رہتے ہین ؎

دیکہون ہون بمعنی دیکہتا ہون - قرار
شاہجہانپوری فرماتے ہین کہ یہ اب متروک
ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ سودا کے کلام
مین اس کا استعمال ہے لیکن ہمارے ذوق
کے خلاف ہے (سودا سے) تجہ نگاہ گرم کی حسرت
سے دل مارے ہے جوش ؎ رات کو دیکہون ہون
مین جب شمع پروانے مین ہے جوش ؎

دیکہے ہے بمعنی دیکہتے ہے بقول قرار

شاہجہانپوری متروک۔ مؤلف عرض کرتا ہے
بعض استادان معاصر کو قرار سے اتفاق نہیں
اور ہمارا ذوق بھی اس کے استعمال کا موافق (شالیب
سے) ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے ؎

ڈیہی | عشرت لکھنوی فرماتے ہیں اب یہ متروک
ہے یعنی (روٹی کہائی تھی) (مٹھائی لائی کم
(تعذیر دیتی تھی) اب نہیں کہتے بلکہ (روٹی
کہاتا تھی) (مٹھائی لاتا تھی) (تعذیر دیتا تھی)
فصیح اور مستعمل ہے اور ساتھ ہی یہ فرمایا ہے
کہ فصحاے دلی اسکا استعمال کرتے ہیں مؤلف
عرض کرتا ہے کہ ہمارا ذوق دلی کے موافق ہے
اور بعض استادان لکھنوی بھی دلی کے استعمال
کو پسند اور قابل ترک نہیں خیال کرتے۔

ذال معجمہ

ذرا | کمال لکھنوی فرماتے ہیں کہ بمعنی اندک
تقلیل ذال ثخذ سے غلط ہے ضیا ے دہلوی کا
نے فرمایا ہے کہ یہ (ذرہ) سے ماخوذ اور مہتد
ہے لہذا ذال معجمہ ہی سے صحیح ہے مؤلف
عرض کرتا ہے کہ صاحب فرہنگ آصفیہ نے بھی
اس کو ذال ہی سے قائم کیا ہے۔ اور ذرہ عربی
سے ماخوذ کہا ہے ہم کو بھی ضیا سے اتفاق ہے

ذری | عشرت لکھنوی فرماتے ہیں کہ بمعنی
ذرا اب متروک ہے مؤلف عرض کرتا ہے
اگرچہ محقق دہلوی نے فرہنگ آصفیہ میں اس
کا ذکر کیا ہے اور ذوق کے استعمال میں بھی
یہ لفظ پایا گیا ہے۔ لیکن ہمارا ذوق ذاتی اس
کے استعمال کو نہیں پسند کرتا۔ (ذوق سے)
ہنگام بوسہ گرم جو وہ اک ذری ہوے ؎ شکر
تو تھے پسینے سے شکر تری ہوے ؎

راے مہملہ

رات | کمال لکھنوی فرماتے ہیں یہ بلا علامت
مفعولی یعنی کو اب متروک ہے اور اسی طرح
شب سحر صبح ان سب کا استعمال بھی بغیر کلمہ
کو نہونا چاہئے ضیا ے دہلوی فرماتے ہیں صحیح
تو دونوں طرح مستعمل ہے یعنی کو کے ساتھ
بھی اور بغیر کو کے بھی باقی الفاظ دلی کے فصحا
اب نہیں باندہتے۔ مگر فصحا ے لکھنؤ میں

ابھی تک برابر مستعمل ہین (جلال ؎) کس بات
پہ بات اس نے نہ تلوار نکالی ٭ سو مرتبہ کی میان
مین سو بار نکالی ٭ مؤلف عرض کرتا ہے کہ
ہمارا ذوق یہ ہے کہ ہم ان کل الفاظ کو دونون
طرح استعمال کرتے ہین۔

رخ پر سے | کمال لکھنوی فرماتے ہین کہ یہ
اب متروک ہے اور اسی طرح (سینے پر سے)
ومثلہ۔ ان کی جگہ (رخ سے) (سینے سے) مستعمل
ضیاے دہلوی کو کمال سے اختلاف ہے آپ
فرماتے ہین فصحا کے کلام مین ایسا استعمال
ہے (جلال ؎) ہم ازل ہی مین پکارے جو بلا
بخت سیاہ ٭ یہ بلا آئی ہے سر پر سے نہ ٹلنے
کے لئے ٭ (ولہ ؎) ہین بیکار رکھا تجھ کو
درد محبت نے ٭ کوئی کام اور جب ہوتا کہ اٹھتے
ہاتھ دل پر سے ٭ مؤلف عرض کرتا ہے کہ ہمارا
ذوق ذاتی کمال سے متفق ہے۔ البتہ خاص
مواقع مین ان کے خلاف ہے جیسے " ہم تو
گھر پر سے گزرے مگر ان کو خبر نہین ہوئی کچھ بھی
سینے پر سے ایک بوجھ اتر گیا "

رکھا | قرار شاہجہان پوری فرماتے ہین یہ
بدون تشدید کاف اب متروک ہے۔ اور اس
کی جگہ رکّھا بہ تشدید مستعمل مؤلف عرض کرتا
ہے کہ استادون کے کلام مین دونون طرح
مستعمل ہے۔ اور بعض استادان معاصر مشدّد
کو غیر مشدد پر ترجیح دیتے ہین مؤلف کا ذوق
بھی ترک کی اجازت نہین دیتا اور مشدد کو
اولیٰ سمجھتا ہے دونون طرح فصیح ہے (ذوق
؎) وبال دوش ہے اس ناتوان کو سر لیکن
لگا رکھا ہے ترے خنجر و سنان کے لئے۔

رکھون ہون | قرار شاہجہان پوری
فرماتے ہین کہ اب اس کا استعمال بمعنی رکھتا
ہون غیر فصیح سمجھا جاتا ہے مؤلف عرض
کرتا ہے سودا کے کلام مین استعمال ہے لیکن
ہمارا ذوق قرار سے متفق ہے (سودا ؎)
در سے تجھ کو کی دیر جو ہم سے گزری قد [illegible] رکھون ہون اپنا
ہون [illegible] ترے [illegible] آنکھون کا ٭

رکھیو | قرار شاہجہان پوری فرماتے ہین کہ
اب اسکی جگہ رکھنا مستعمل ہے مؤلف عرض

کرتا ہے کہ اگرچہ غالب نے اس کا استعمال کیا ہے لیکن ہمارا ذوق اس کے استعمال کو پسند نہیں کرتا (غالب سے) رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف ؛ آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے ؛

رمضان کمال لکھنوی نے اسکو بسکون دوم غلط فرمایا ہے۔ ضیاے دہلوی فرماتے ہیں کہ اگر فارسی میں بسکون دوم بھی شکل آئیگا تو تقصیر ٹھہریگا۔ اردو کے روزمرہ میں بسکون دوم و باعلان نون ہی بولا جاتا ہے پس جب تک فارسی کلام سے مثال نہ ملے بسکون دوم ہندی ہے

مؤلف عرض کرتا ہے۔ یہ لغت عرب ہے بفتح اول و دوم و سوم۔ فارسی میں بھی بھر حرکت مذکور مستعمل ہے (صائب سے) من در طلب یار و او با دگران است ؛ چون غرہ شوال کہ عید رمضان است ؛ اردو میں صاحب فرہنگ آصفیہ نے بسکون دوم لکھا ہے اور اس کے مرکبات یعنی (رمضانی) (رمضان رہنا) کو بھر سہ حروف مفتوح لکھا ہے۔ استاد سالک نے رمضان کو فتح اول و دوم و سوم سے استعمال کیا ہے (سے) دکان مے فروش پہ سالک پڑا رہا ؛ اچھا گزر گیا رمضان بادہ خوار کا ؛ ہماری تحقیق میں بسکون دوم و اظہار نون عوام کی زبان ہے فصحاے اردو نے اردو میں بھی مثل عربی و فارسی کے بہ تحریک اول و دوم و سوم استعمال کیا ہے اگر ضیاے دہلوی کسی استاد اردو کے کلام میں بسکون دوم دکھلا دیتے تو ہم کو آپ کے قول سے اتفاق ہوتا اب ہم کو کمال لکھنوی سے اتفاق اور ہمارا ذاتی ذوق بھی یہی ہے۔

زاے معجمہ

زبان پھرنا عشرت لکھنوی فرماتے ہیں کہ اب یہ متروک اور اسکی جگہ زبان کھلنا مستعمل ہے صاحبان فرہنگ آصفیہ و (سرمایۂ زبان اردو) و قرار اللغات اور مخزن المحاورات نے اس کو ترک کیا ہے۔ باوجود اس کے ہم کو عشرت سے اس لئے اتفاق نہیں کہ اس کے استعمال کو بعض استادان معاصر پسند کرتے ہیں

اور استاد داغ کے کلام مین اس کا استعمال ہے اور مؤلف کے ذوق کے موافق ۔
(سـ) اس کے آگے زبان مشکل سے ہو دہن نامہ بر مین پھرتی ہے ۔

زمرّد کمال لکھنوی فرماتے ہین کہ بفتح سوم غلط ہے اور بضم سوم صحیح ضیاے دہلوی نے فرمایا ہے کہ اگر زمرّد بفتح سوم شعراے عجم کے کلام مین آئیگا تو وہی تصرف سمجھا جائیگا (داغ) مولف عرض کرتا ہے اگر اور ہمگر شان تحقیق سے بعید ہے صاحب غیاث اللغات نے فرمایا ہے کہ بضم اوّل و دوم و راے مہملہ مضموم ایک قیمتی سبز نگینہ کا نام ہے جس کا معرّب ذال معجمہ کے ساتھ ہے اور آپ ہی نے اسکو فتح راے مہملہ سے بھی صحیح مانا ہے۔ صاحب بہار عجم نے اس کو فتح راے مشدد کے ساتھ قائم کرکے ظہیر فاریابی کی سند دی ہے (سـ) زہرۂ سنگ از شکوہ او چو بر آمد چو گروش چرخش لقب نہاد زمرّد ۔ نیز صراحت کی ہے یہ شعر ایک ایسے قصیدے کا ہے جس کا قافیہ قد و خد ہے ۔ صاحبان برہان قاطع ۔ برہان جامع ۔ فرہنگ انجمن آراے ناصری ۔ سراج اللغات ۔ لغات سروری ۔ فرہنگ جہانگیری و رشیدی نے اس لفظ کو ترک کیا ہے ۔ محققین عرب سے صاحب منتخب اس سے ساکت اور (زمرذ ۔ بذال معجمہ) پر فرماتے ہین کہ معرّب ہے (زمرّد بدال مہملہ) کا صاحب سوار السبیل نے (جو محقق معربات ہین) زمرّد کو فارسی کہا ہے ۔ صاحب منتہی الارب نے اس کو بضم راے مہملہ عربی کہا ہے اور آپ ہی کا قول ہے کہ کبھی فتح میم سے بھی آتا ہے ۔ صاحب محیط المحیط نے بھی اسکو عربی مانا ہے اور زبرجد کا مرادف قرار دیا ہے اور اعراب مین ضم اوّل و سوم ہی کی صراحت کی ہے ۔ محققین اردو سے صاحب فرہنگ آصفیہ نے اسکو بلا اعراب لکھکر عربی تسلیم کیا ہے ۔ نتیجہ تحقیق یہ ہے کہ فصحاے اردو کی زبان پر بضم راے مہملہ ہے اگرچہ ہم بلحاظ تفریس اس کا استعمال بفتح راے مہملہ بھی کرسکتے ہین لیکن ہمارا ذاتی ذوق کمال سے متفق ہے ۔

زور عشرت لکھنوی فرماتے ہین یہ لفظ اب بمعنی خوب متروک ہے محقق دہلوی (مصاحب فرہنگ آصفیہ) نے اسکو فارسی اور بمعنی خوب و عجیب و غریب بھی لکھا ہے اور استادان لکھنؤ کی سند دی ہے اور غیر فصاحت یا ترک کا کوئی اشارہ نہین کیا (جرأت سے) یار کا آستان پایا ہے زور دل نے مکان بنایا ہے (منشو سے) زور کیفیت اس شراب مین تھی اب پڑرکتے ہی بس ہوے بیہوش (ناسخ سے) خاک سر پہ ہے مہر و مہ پامال ہوا ہے فلک سے زور انقلاب ہوا (جلال لکھنوی نے (سرمایہ زبان اردو) مین اسکو بمعنی عجیب (اردو) کا لفظ قرار دیا ہے اور آپ نے بھی کوئی اشارہ ترک کا نہین کیا۔ اور عشرت نے کلام ناسخ کی اس کا جو استعمال دکھلایا ہے وہ یہ ہے (ناسخ سے) خود ہنستے ہوا غیار سے ہنسواتے ہو ہم کو یہ زور ہنسی ہے کہ رلا جاتے ہو ہم کو اب مؤلف عرض کرتا ہے کہ دیوان ناسخ مین اس شعر ناسخ کی ردیف (مجکو) ہے نہ (ہمکو) اگرچہ دواوین مطبوعہ مین زور بہ زاے ہوز اول لکھا ہے لیکن بعض قلمی نسخون مین اس کے عوض (روز) بہ راے مہملہ اوّل و زاے معجمہ سوم ہے۔ ہمارا ذوق شاعری بھی اسی کو پسند کرتا ہے لیکن اگر اسکو زاے ہوز اوّل سے ہی تسلیم کیا جاے تو ہمارا ذوق اس کے خلاف ہے یعنی ہم اس لفظ کو بمعنی خوب استعمال کرنا نہین پسند کرتے اور یہ ان معنون مین فارسی نہین ہے محقق دہلوی کا تسامح ہے کہ اسکو ان معنون مین بھی فارسی سمجھا

سین مہملہ

ساتھ کمال لکھنوی فرماتے ہین کہ اس کا قافیہ بات۔ رات کے ساتھ متروک ہے اور یہی راے (ہاتھ) کی نسبت ہے اور وجہ ترک یہ ہے کہ ان دونون الفاظ کے آخر مین ہاے ہوز ہے۔ ضیا ے دہلوی نے جرأت اور رواج کی سند کے ساتھ کمال کی مخالفت تو کی ہے لیکن وجہ ترک کے فیصلے سے سکوت فرمایا ہے (جرأت سے) اے شب کسی کاکل کی حکایات ہے واللہ

کیا رات ہے کیا رات ہے کیا رات ہے واللہ
دل چھین لیا اس نے دکھا دست حنائی ۔ کیا
بات ہے کیا بات ہے کیا بات ہے واللہ (داغ
۵) تم کو صحبت غیر سے وزرات ہے ۔ دیکھو
اپنی بات اپنے ہات ہے ۔ یہاں امر تنقیح طلب
یہی ہے کہ ساتھ اور ہاتھ کا املا بغیر ہائے ہوز
صحیح ہے یا نہیں محقق دہلوی یعنی صاحب
فرہنگ آصفیہ نے ان دونوں الفاظ کی کتابت
ہائے ہوز آخر کے ساتھ کی ہے۔ اور جلال
لکھنوی نے (سرمایۂ زبان اردو) میں بھی
ساتھ کو ہائے آخر کے ساتھ لکھا ہے۔ اور ہاتھ
لکھتے ہیں کہ اگرچہ اسکو رات ۔ لات کے قافیہ
میں باندھا ہے۔ لیکن ہائے مخلوط التلفظ
کے ساتھ صحیح ہے مؤلف عرض کرتا ہے
ضیا نے بعنوان تصحیح جو کچھ لکھا ہے وہ آپکے
استاد جلال ۔ کی تردید ہے نہ کمال کی ہم
ہیں کہ آپ اپنے کلام میں ساتھ اور ہاتھ کو
رات کے ساتھ قافیہ کرنا پسند نہیں فرماتے
اور ساتھ اور ہاتھ کو بحذف ہائے ہوز آخر
لکھنا بھی صحیح نہیں خیال کرتے۔ اگرچہ ہمارے
استاد داغ کی سند ہے اور ہم اس مثال سے
ایسا کرنا جائز تو کہہ سکتے ہیں۔ لیکن مثال غلط
باشد کا مصداق ہوگا پس اس کے ترک کو
اولے سمجھتے ہیں اس لئے کہ جن الفاظ کی
کتابت ہائے ہوز آخر کے ساتھ
واجب ہے فرہنگ آصفیہ ایسے الفاظ
کے ساتھ اور کچھ تحریر میں صرف تے ہے لیکن
صحیح ہے رسم یا ذوق ذاتی ۔ جلال مغفور
اون کو لکھنوی کے موافق اور ضیا کے
[illegible] کے خلاف ہے۔ استادان معاصر
قافیہ معتد بھی ہمارے ذوق سے اتفاق کریں

لسان

عشرت لکھنوی فرماتے ہیں کہ اب
اس کا استعمال بمعنی مانند متروک ہے مؤلف
عرض کرتا ہے کہ محقق دہلوی نے فرہنگ
آصفیہ میں اور جلال لکھنوی نے (سرمایۂ
زبان اردو) میں اسکو ترک کیا ہے اور یہ
یہ فارسی زبان کا لفظ بمعنی رسم و عادت و
طرز و روش ہے۔ دیکھو بہار عجم اور برہان

قاطع اور اسی کا مخفف ہے (سا) بمعنی شبیہ
و نظیر (دیکھو فرہنگ انجمن آرائے ناصری)
صاحب فرہنگ آصفیہ نے (سا) پر فرمایا ہے
کہ یہ اردو ہے۔ غالباً آپ سے تسامح ہوا
ہے جو فارسی کو اردو لکھا الحاصل (سایہ
سان) کا استعمال [illegible] سایہ ناسخ کے
کلام میں ہے جو [illegible] نے [illegible] ہے ہمارا
ذوق اس استعمال کو [illegible] ہے (ناسخ
ص) وہ ہوں عاشق کہ اگر نقش پہ [illegible] کرکے
چلے ٭ سایہ سان روح بھی میرے جلاد
کے ساتھ ٭ واضح ہو کہ ناسخ کے [illegible]
کو ہم نے (اصلاح زبان اردو مؤلفہ [illegible] دویہ
لکھنوی) سے نقل کیا ہے لیکن دیوان ناسخ
مطبوعہ (مطبع اودھ گزٹ لکھنؤ) میں
حسب ذیل ہے (ص) ہوں وہ سودائی
اگر قتل مجھے کرکے چلے ٭ سایہ سان خون
سے بھی چلے جلاد کے ساتھ ٭

سبھوں کو | قرار شاہ جہان پوری فرماتے
ہیں کہ اب یہ یعنی سب کو متروک ہے مؤلف
عرض کرتا ہے کہ استادان سلف کے کلام میں
اس کا استعمال ہے اور ہمارے ذوق کے
موافق (سودا ص) نہ صرف خاص ہیں آپ یہ
نہ خالصہ جاری ہے سپاہی تا متصدی سبھوں کو [illegible]

سجانا | کٹانا۔ کہچانا۔ لکھانا۔ یہ سب
بقول کمال لکھنوی متروک ہیں۔ ان کی
جگہ سجوانا۔ کٹوانا۔ کہچوانا۔ لکھوانا مستعمل
ضیائے دہلوی فرماتے ہیں کہ ہر ایک سجانے
خود درست ہے اول متعدی بیک مفعول
اور دوم متعدی بدو مفعول یعنی سجانا
خود یا بیوہ ہاتھ سے کسی چیز کو آراستہ کرنا ہے
سجوانا دوسرے کے ہاتھ سے آراستگی
[illegible] کہتے ہیں۔ گو لکھنؤ میں سجانا متعدی
[illegible] مفعول نہ بولتے ہوں مگر دہلی میں بولا
جاتا ہے۔ اور کہچانا۔ لکھانا۔ حالت انفراد
میں فصحا کے نزدیک متروک ہیں۔ دوسری
صورتوں میں مستعمل مثلاً یوں کہیں کہ کچھ
لکھنا لکھانا نصیب ہوتا تو اس طرح لکھانا
وغیرہ کا استعمال درست ہے (فافہم) مؤلف

عرض کرتا ہے کہ ہم ہر ایک مصدر کا تصفیہ جدا
جدا کرین گے۔ تا معلوم ہو جائے کہ ضیاؔ سے دہلوی
کا تصفیہ عنوان کہان تک جامع اور ہماری مدد
کر سکتا ہے (۱) سجانا یہ بقول ضیاؔ دلّی کا متعدی
بیک مفعول ہے (اور فرہنگ آصفیہ مین بھی
اس کا ذکر ہے) اس کی جگہ لکھنؤ والے سجاتے
ہین (دیکھو جلال کا رسالہ سرمایۂ زبان اردو)
اس کا متعدی بدو مفعول سجوانا ہے۔ اور
فرہنگ آصفیہ مین بھی اس کا ذکر ہے۔ اور
ضیاؔ بھی اسکو مانتے ہین چونکہ بعض [illegible] اس
کے عوض سجانا ہی کا استعمال کرتے ہیں۔ کمالؔ
نے انکو آگاہ کر دیا کہ متعدی بدو مفعول کے
لئے سجوانا سے کام لو اور ان معنون مین سجانا
کو ترک کرو۔ اور کمالؔ کی یہ رائے صحیح ہے (۲)
کٹانا یہ بھی متعدی بدو مفعول ہے اس کا متعدی
بیک مفعول کاٹنا ہے۔ کمالؔ نے اس کے متعلق
یہ ہدایت کی ہے کہ کٹانا کو ترک کرو اور کٹوانا
سے کام لو۔ اور فرہنگ آصفیہ مین بھی کٹوانا
انھین معنون مین ہے۔ مگر ضیاؔ نے اسکی بحث
کو ترک کرتے ہوے وہ جو عام لفظون مین فرمایا
ہے کہ ہر ایک بجاے خود درست ہے۔ یعنی کٹانا
متعدی بیک مفعول ہے یہ اون کا ارشاد صحیح
نھین ہے۔ متعدی بیک مفعول تو کاٹنا ہی
ہے۔ نہ کٹانا غالباً آپ سے تسامح ہوا ہے ہمارا
ذوق کمالؔ کی اس ہدایت کو بھی پسند کرتا ہے
(۳) کھپانا۔ صاحب فرہنگ آصفیہ نے اس کا
ذکر نھین کیا۔ اور کھپوانا کو بھی نھین لکھا جلالؔ
لکھنوی نے (سرمایۂ زبان اردو) مین بھی
ان دونون کو ترک کیا ہے مؤلف عرض کرتا ہے
کہ کھپانا متعدی بیک مفعول ہے اور کھپوانا
متعدی بدو مفعول کھپانا بعوض کھپوانا واقعی
زبان نھین ہے۔ ہماری سمجھ مین نہ آیا کہ ضیاؔ
نے (کھپانا۔ کھپوانا) دونون کو بجاے خود درست
کیونکر لکھا۔ کھپانا نہ لازم ہے اور نہ متعدی
بیک مفعول۔ اگر بقول ضیاؔ کھپانا۔ دلّی مین
متروک ہے تو بقول کمالؔ لکھنؤ مین بھی متروک
ہے پھر تصحیح کی ضرورت ہی کیا تھی۔ البتہ
تصحیح کے ضمن مین ضیاؔ سے یہ غلطی ہوئی ہے

کہ کہچانا کو متعدی بیک مفعول کہا گیا۔ درحالے
کہ متعدی بیک مفعول کہنچنا ہے۔ الحاصل
ہم کو اس لفظ کے متعلق کمال سے اتفاق ہے
اور ہماری راے مین ضیا کا یہ خیال غلط ہی
جو آپ نے کہچانا کو متعدی بیک مفعول کہا (۴۴)
لکہانا۔ اور لکہوانا دونون متعدی بہ دو مفعول
ہین۔ اور دونون کا ذکر فرہنگ آصفیہ نے بھی
کیا ہے۔ اور اس کا متعدی بیک مفعول لکہنا
ہے۔ کمال نے لکہانا کو متروک قرار دیا اور
اسکی جگہ لکہوانا کے استعمال کی ہدایت دی
تعجب ہے کہ ضیا نے لکہانا کو اپنے بیان عام
مین متعدی بیک مفعول کہا اور لکہوانا کو
متعدی بدو مفعول فرمایا ہماری راے مین لکہوانا
تو بے شک متعدی بدو مفعول ہے۔ لیکن
لکہانا کی نسبت آپکی راے غلط ہے۔ اس لیے
کہ اس کا متعدی بیک مفعول تو لکہنا ہے
نہ لکہانا اور پھر آپ ہی فرماتے ہین کہ لکہانا
حالت انفراد مین فصحا کے نزدیک متروک پس
کمال کی ہدایت اس کے ترک کے متعلق صحیح
ٹھہری۔ کیا برا ہوا جو اس نے صراحت کر دی
فتاملوا یا ایہا الناظرون۔

سچ مچ عشرت لکہنوی فرماتے ہین کہ اب
یہ متروک ہے **مؤلف** عرض کرتا ہے کہ محقق
دہلوی یعنی صاحب فرہنگ آصفیہ نے اس
کا ذکر کیا ہے بمعنی ہو بہو۔ بعینہ۔ ہو بہو۔
بے شک۔ اور کوئی اشارہ غیر فصاحت کا نہین
کیا۔ اور جلال مغفور نے بھی (سرمایۂ زبان
اردو) مین اس کو بغیر کسی اشارۂ ترک کے
لکہا ہے۔ استادان سلف کے کلام مین اس
کا استعمال ہے۔ اور استادان معاصر بھی
اس کے استعمال کو پسند کرتے ہین۔ اور ہمارا
ذوق بھی اس کے موافق ہے (میر حسن ؒ)
وہ جوگن جو سچ مچ تھی زہرہ جبین ؛ سو مجلس
مین آئی لئے ہاتھ مین (ناسخ ؒ) کہچ چلا
آخر کو جذب حسن سے ؛ سچ مچ اے ناسخ
تو اب مجذوب ہے ؛ (سوداؒ) یہ تو نہین
کہتا ہون کہ سچ مچ کرو الطاف ؛ جھوٹی بھی
تسلی ہو تو ضائع تو نہ ہون مین ؛ (شیفتہؒ)

وعدہ کس شخص کا اور وہ بھی نہایت کچا ہ ہم
بھی کیا خوب ہین سچ مچ ہمین باور آیا ہ

سدا عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ یہ بمعنی ہمیشہ اب متروک ہے۔ کمال لکھنوی نے بھی اس کو متروک کہا ہے۔ ضیاے دہلوی فرماتے ہین کہ اکثر شعرا اس کے تارک ہین۔ مگر یہ لفظ ترک کرنے کے قابل نہ تھا اس لئے کہ مدام اور ہمیشہ کے ترجمہ کے لئے اردو مین یہ ایک ہی لفظ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعضے اب بھی باندھتے ہین۔ جلال لکھنوی نے (سرمایۂ زبان اردو) مین فرمایا ہے کہ اس زمانے کے فصحا اس لفظ کو نہین بولتے اب متروک الاستعمال ہوگیا ہے۔ محقق دہلوی اعنی صاحب فرہنگ آصفیہ نے اس پر کوئی اشارہ عدم فصاحت یا ترک کا نہین کیا۔ اور بعض استادان معاصر اس کے استعمال کو پسند کرتے ہین۔ اور استادون کے کلام مین بھی اس کا استعمال ہے مؤلف کا ذاتی ذوق اس کے استعمال کو پسند کرتا ہے۔ ضیا نے ناانصافی کی جو اپنی راے کو تصحیح کے عنوان سے لکھا اس لئے کہ انھون نے کمال کی کوئی تصحیح نہین کی (شاد سے)

سدا دیدہ بازی ہین اسے شاد گزری ہ تماشا
ان آنکھون سے کیا کیا نہ دیکھا ہ

سحر کمال لکھنوی فرماتے ہین یہ کل فصحاے ہند کی زبان پر بکسر سین ہے جیسے "سحر ہوتا ہے۔ سحر دکھتا ہے" پس اسکو بغیر عطف و اضافت بفتح سین استعمال کرنا خلاف فصاحت ہے۔ اور بفتح سین فارسی ہے اگر سحر۔ کمر۔ نظر کے قوافی مین سحر کو بہ عطف و اضافت لائین تو بے شبہ بفتح سین پڑھا جائیگا۔ اور اس حالت مین فارسی تصور کیا جائیگا۔ ضیاے دہلوی کا قول ہے کہ سحر بالفتح فارسی ہے اور بالکسر ہندی لیکن سحر و کمر کے قافیہ مین بلا ترکیب بھی مستعمل ہے جیسے

(جلال سے) مسجد ون سے بھی [illegible] زیارہ و ہے
کچھ اسکی حرمت ہ دریمخانہ پہ جھکتا ہے جو سر
آپ سے آپ ہ (اس غزل کا قافیہ نظر۔ اثر ہے) مؤلف عرض کرتا ہے کہ ہم تو ضیا کی

اس صراحت سے اتفاق ہے کہ سَر کا بالفتح
استعمال مفرد بھی صحیح ہے۔ اور اس حالت مین
سَر فارسی سمجھا جائیگا۔ لیکن بکسور سِر کو ہندی
کہنا ہماری راے مین صحیح نہین ہے۔ اگرچہ
صاحب فرہنگ آصفیہ نے بھی اسکو ہندی
کہا ہے۔ لیکن ہماری تحقیق مین سنسکرت
ہے (دیکھو دلیل ساطع) اور اردو مین ہندو
فارسیون نے اسی کی تفریس سے سَر بالفتح
وضع کیا ہے۔ اور اردو مین دونون کا استعمال
ہے۔ الحاصل مؤلف کا ذوق کمال لکھنوی
کے خلاف ہے یعنی اس کا استعمال بالفتح بدون
عطف و اضافت بھی فصیح ہے جیسا کہ جلال
نے اپنے کلام مین استعمال فرمایا ہے۔ ہم کو
ضیا سے اتفاق ہے۔ اور بعض استادان
معاصر کا بھی یہی خیال ہے۔

سر پہ سے | قرار شاہجہان پوری فرماتے
ہین کہ اب یہ یعنی سر سے متروک ہے **مؤلف**
عرض کرتا ہے کہ ہمارا ذوق اس کے ترک کو
نہین پسند کرتا۔ اور بعض استادان معاصر بھی
ہمارے ساتھ متفق ہین۔ (داغ ؎) ہمسری
تجھ سے کرے گر آسمان ؎ صدقہ کر ڈالین
ترے سر پہ سے ہم ؎

سرشار | بقول کمال لکھنوی بمعنی مست
جہتا ہے آپ فرماتے ہین کہ اسکو فارسی تصور
کرنا غلط ہے۔ اور یہ ترکیب فارسی استعمال
کرنے سے احتیاط لازم۔ ضیا سے دہلوی اس
اجمالی جواب پر قانع ہین کہ مجازاً مستعمل ہے
مؤلف عرض کرتا ہے کہ سرشار فارسی زبان
کا مرکب لفظ ہے۔ اسم فاعل ترکیبی۔ سر بمعنی
فرق و شار بمعنی ریزش۔ از قبیل آبشار۔
فارسیون نے لبریز کے معنون مین اس کا
استعمال کیا یعنی اُبلنے والا اور یہ نیوچہ کہ مست و
بدمست کا ظرف ذات بھی مستی کی لبریز ہوتا ہے مجازاً
(مست از سر و رفتہ) کو بھی سرشار کہا (صائب
؎) مخمور را نگاہ تو سرشار می کند ؎ بدمست را عتاب
تو ہشیار می کند ؎ اب ہم شعرائے اردو کا کلام ہدیۂ
ناظرین کرتے ہین جنھین اس فارسی لفظ کو ترکیب فارسی کے علاوہ
استعمال کیا ہے (شہیدی ؎) میکشو سرخ ہین

آنکھین جو تمہاری شاید پہ شب تمہین ساقی سرشار
نے سر سے نہ دیا ہو۔ واضح ہو کہ محقق دہلوی یعنی
صاحب فرہنگ آصفیہ نے بھی دونون معنون کا ذکر
کیا ہے۔ اور بمعنی مجازی اردو مین مستعمل کہا
ہے۔ پس مؤلف کو کمال لکھنوی سے اتفاق نہین

سکھلانا عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ یہ
بمعنی سکھانا اب متروک ہے آپ نے فرمایا ہے
کہ سکھلانا عوام کا بنایا ہوا ہے اور سکھانا
خود متعدی ہے جس کو لازم سمجھکر اس کا متعدی
سکھلانا سمجھا گیا ہے جو غلط ہے (مومن سے)
پھرتے ہین سو سو وسوسے دلمین جی مین سو سو
آتے ہین ۔ کوٹھے پر وہ دھوپ مین اپنے بال
کھڑے سکھلاتے ہین ۔ مؤلف عرض کرتا
ہے کہ کیا مومن کا شمار عوام مین تھا اور کیا
انکو لازم اور متعدی مین امتیاز نہ تھا تعجب
ہے کہ عشرت نے کیون ایسا خیال کیا۔ اور
ایک استاد مسلم الثبوت پر کیون ایسا حملہ کیا۔
کیا آپ نے محقق دہلوی کی تالیف
(فرہنگ آصفیہ) نہین دیکھی جس مین سکھانا
اور سکھلانا دونون کا ذکر ہے۔ بےشک
ہمارا ذوق سکھانا کو پسند کرتا ہے اور سکھلانا
ہمارے ذوق کے خلاف ہے۔ لیکن جب
ایک آفتاب وقت کے کلام مین اس کا استعمال
ہے اور فرہنگ آصفیہ مین اس کا ذکر بلا
صراحت (عوام) ہے تو ہم کبھی اس کو عوام
کی زبان نہین کہہ سکتے۔ اس کا لازم سوکھنا
ہے وہ جاہل ہوگا جس نے سکھانا کو لازم
سمجھا ہوگا یا جس کو یہ خیال پیدا ہوا ہوگا کہ
مومن زبان اردو کا مسلم الثبوت استاد نہین ہے

سِلائے عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ
سینا کا متعدی سلوانا ہے۔ اس لئے سلائے
کی جگہ سلوائے کہنا چاہئے۔ بعض استادان
معاصر کو آپ سے اختلاف ہے مؤلف عرض
کرتا ہے کہ سلانا اور سلوانا دونون زبان
پر ہین۔ صاحب فرہنگ آصفیہ نے دونون
کا ذکر کیا ہے۔ ناسخ کا استعمال سلانا کی سند
ہے۔ ہمارا ذوق دونون کے استعمال کو
پسند کرتا ہے (ناسخ سے) ایسا خفا ہوا مرے

نالوں سے اسے جنوں ؛ ظالم نے جاے چاک
گریبان سلائے ہونٹ ؛

سمجھا ہوں میں عشرت لکھنوی فرماتے ہیں کہ اس کی جگہ (سمجھتا ہوں میں) کا استعمال زیادہ فصیح ہے۔ بعض استادان معاصر کو عشرت سے اختلاف ہے مؤلف عرض کرتا ہے سمجھا ہوں میں ماضی قریب ہے اور سمجھتا ہوں حال اور یہ مصدر لازم اور متعدی دونوں طرح مستعمل ہے۔ ناسخ کے کلام میں (سمجھا ہوں) کا استعمال ہے ہمارا ذوق دونوں طرح استعمال کو پسند کرتا ہے (ناسخ سے) دیکھکر روز سیہ گریاں میں یہہ سمجھا ہوں میں ؛ دھوپ کی شدت سے دن کا رنگ کالا ہوگیا ؛

سمیت قرار شاہ جہان پوری فرماتے ہیں یہ بمعنی ساتھ متروک ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ شاد اور نصیر کے کلام میں اس کا استعمال ہے لیکن ہمارا ذاتی ذوق اس کے عوض (کے ساتھ) کو پسند کرتا ہے (شاد سے) ہم غریبوں کو ضرورت سامانوں کی کچھ نہیں ؛ آئے تھے تنہا چلے رنج و غم و حرمان سمیت ؛ (نصیر سے) بھر رہا ہے داغ سے معمور ہے سینہ تمام ؛ روبرو اللہ کے جائینگے ہم محضر سمیت ؛

سندیسا عشرت لکھنوی فرماتے ہیں کہ بمعنی پیغام ایسا یہ غیر فصیح اور متروک ہے بعض استادان معاصر کو آپ سے اختلاف ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ محقق دہلوی نے فرہنگ آصفیہ میں اس کا ذکر کیا ہے اور کوئی اشارہ اس کی غیر فصاحت اور ترک کا نہیں فرمایا۔ استادان معاصر کے کلام میں بھی اس کا استعمال ہے۔ اور ہمارا ذوق اس کے استعمال کو پسند کرتا ہے (داغ سے) سنکے وہ حال مرا غیر سے فرماتے ہیں آئے ہیں آپ محبت کا سندیسا لیکر ؛

سو بقول کمال لکھنوی اور مجہول سی متروک ہے۔ اور اسکی جگہ تو مستعمل۔ ضیا سے دہلوی فرماتے ہیں ہر جگہ سو کے بدلے تو کی گنجائش ہے

بمعنی شوق دارندہ یعنی عاشق اور مشتاق کے معنون مین غلط ہے اور بشوق آورندہ یعنی معشوق کے معنون مین صحیح ہے ۔ ضیاے دہلوی کہتے ہین کہ شائق بمعنی آرزومند منتہی الارب مین موجود ہے ۔ اور بمعنی عاشق ومشتاق شعراے عجم کا استعمال ہی سے (حزین سے) از انجذاب ذاتی درتست ارزوے عالم ؎ یا آفتاب تابان ہر ذرہ ایست شائق ؎ (قاآنی سے) شائق فردوس نیست عاشق یزدان ؎ مائل انسا زیست عاقل افسر ؎ مؤلف عرض کرتا ہے کہ صاحب منتہی الارب نے شائق بمعنی آرزمند و با آرزو آورندہ ومعشوق کہا ہے ۔ اور صاحب محیط المحیط نے صرف معشوق پر قناعت کی ہے ۔ اور بقول صاحب صراح شوق بمعنی آرزومند گردانیدن اور شائق بمعنی معشوق اور مشوق بمعنی عاشق نہ معلوم ضیاے دہلوی کے ملاحظہ مین وہ کون کتاب تھی جس کو آپ نے منتہی الارب خیال کیا ۔ لیکن اس مین کچھ شک نہین کہ فارسی مین اس کا استعمال بمعنی عاشق ہے (خاقانی سے) شائقان تو نہ از صبح ز شام آزادند ؎ کہ دل از ہرچہ دورنگی است شکیبا بشند ؎ اور ہماری راے مین ان معنون مین مفرس ہے اگرچہ فارسی لغات نے باوجود تفریس اس کو ترک کیا ہے ۔ لیکن استادون کے کلام مین اس کا استعمال موجود ہے ۔ صاحب فرہنگ آصفیہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے ۔ اور مفرس بانا ہے شعراے اردو کو بمعنی عاشق وشوق دارندہ استعمال کرنے مین ذرا تامل نہونا چاہیے ۔

شرما جاے ہے

قرار شاہجہان پوری فرماتے ہین کہ اب یہ بمعنی شرما جاتا ہے متروک ہے مؤلف عرض کرتا ہے اگرچہ استادون کے کلام مین اس کا استعمال ان معنون مین ہے لیکن ہمارا ذوق ذاتی اس کے خلاف ہے ۔ (غالب سے) کبھی نیکی بھی اسکے جی مین گر آجاے ہے مجھ سے ؎ جفائین کر کے اپنی یاد شرما جاے ہے مجھ سے ؎

شمشیر بقول کمال لکھنوی یاے معروف کے ساتھ تدبیر و تقدیر کے قافیہ مین متروک۔ ضیاے دہلوی نے اس کی تردید کی ہے اور کلام استادان زبان اردو سے کسی کے استعمال کی مثال نہین دی مؤلف عرض کرتا ہے کہ فارسی مین اس کا استعمال یاے معروف کے ساتھ ہر طرح سے ثابت ہے اور اس لحاظ سے اردو مین بھی اس کا استعمال ہو سکتا ہے صاحب فرہنگ آصفیہ نے اس قدر صراحت کی ہے کہ اردو والون نے اس کا استعمال بروزن نخچیر کیا ہے۔ ہمارا ذوق ذاتی یہ ہے کہ ہم دونون طرح استعمال کرتے ہین۔

صاد مہملہ

صدقہ کمال لکھنوی فرماتے ہین کہ اس کا استعمال بسکون دال مہملہ غلط ہے اور شعراے عجم نے بالتحریک استعمال کیا ہے پس بسکون دال ہند تصور کرنا چاہئے۔ ضیاے دہلوی فرماتے ہین کہ تسکین و تحریک شعرا کا تصرف ہے۔ مؤلف عرض کرتا ہے کہ اس قدر اجمال بیان عنوان تصحیح کے شایان نہین ہے۔ یہ لغت عرب ہے بہ فتح اوّل و دوم۔ فارسیون نے اس کا استعمال بسکون دوم نہین کیا۔ اور بعض محققین فارسی نے صراحت کی ہے کہ دال کو ساکن کرنا غلطی ہے (میر نجات اصفہانی ؎) من نہ آنم کہ تلافی نہ کنم نازترا ؎ تصدقہ میشوم و گرد سرت می گردم ؎ صاحب فرہنگ آصفیہ نے اسکو بفتحتین لکھا ہے اور صراحت فرمائی ہے کہ زبان زد بسکون دال ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ یہ اردو کا تصرف ہے اور باتفاق کمال بے شک ہند ہے۔ (نسیم ؎) بڑا ملتی ہے بخشش سے بہا اے چشم تر آنسو ؎ ملے کچھ دامن خالی کو صدقہ رومگین کا ؎ (امیر ؎) اس طرف بھی نگاہ لطف کبھی ؎ صدقہ اسے نوجوان جوانی کا ؎ حاصل یہ ہے کہ ہم کو کمال کی راے سے اتفاق ہے لیکن ہمارے موضوع کے لحاظ سے جس کی صراحت حیوۃ العزیز کے گیارہوین باب مین ہوئی ہے اس لغت ہند کا استعمال بترکیب

فارسی ہو سکتا ہے۔

صف کمال لکھنوی فرماتے ہین کہ اس لفظ
کو بمعنی فرش بوریا وغیرہ فارسی تصور کرنا غلطی
ہے بلکہ ہندی اور بہ ترکیب فارسی استعمال کرنا
غلط ہے۔ ضیاے دہلوی نے تصحیح کے ذیل
مین اس ارشاد پر قناعت کی ہے کہ صاحب
(ازاحۃ الاغلاط) نے لکھا ہے۔ صف بمعنی
بوریا غلط۔ آرے بہ ترکیب (صف ماتم) بمعنی
قطار ماتم مضائقہ ندارد (انتہی) مؤلف [illegible]
عرض کرتا ہے کہ صف بقول منتہی الارب
بمعنی قطار عربی ہے اور صفوف اس کی جمع
لغات فارسی نے بھی انھین معنون کی صراحت
کی ہے۔ صاحب فرہنگ آصفیہ نے معنی مذکور
کا ذکر فرما کر بوریا و چٹائی کے معنی بھی لکھا
ہے اور ان معنون مین اردو زبان کا لغت
مانا ہے اور آپ ہی نے (صف ماتم) پر لکھا
ہے کہ وہ فرش جس پر ماتم کرنے والے یا ماتمی
آکر بیٹھین (الخ) ہم کہتے ہین کہ جب اس لفظ
زیر بحث کا ذکر مفرد و مرکب دلّی کے ایک
محقق نے کیا ہے جس کی تردید قول کمال
لکھنوی مین ہے تو ضیاے دہلوی کا فرض
تھا کہ اس کی حقیقت پر روشنی ڈالتے اور
صرف (ازاحۃ الاغلاط) کی نقل پر یون نہ قناعت
کرتے لیجیے اب ہم اس کی حقیقت پر روشنی
ڈالتے ہین پچاس برس کے آگے تک عجم مین
یہ دستور تھا (اور کیا عجب ہے کہ اب بھی ہو)
کہ مجلس عزا مین منبر پر ایک سیاہ غلاف پہناتے
تھے اور منبر کے روبرو یعنی منبر کے زینہ
سے ختم مکان تک بقدر عرض منبر ایک سیاہ
چاندنی کا فرش کرتے تھے اور اسی فرش پر
سے منبر نشین تشریف لاتے جن کے ساتھ
سیاہ لباس مین وہ مخصوص افراد آتے جو
گریان اور ماتمی کہلاتے جب منبر نشین منبر پر
چڑھ بیٹھتے تو یہ افراد خاص ایک دوسرے
کی جانب منہ کیے ہوے دو صفون مین اسی
سیاہ فرش پر بیٹھتے اور منبر نشین کے وعظ
کے مابین موقع موقع سے بکا و زاری اور
ماتم اسی خاص گروہ کا فریضہ ہوتا۔ فارسیون

نے اس خاص گروہ کو (صف ماتم) اور بر سبیل
مجاز اس سیاہ فرش کو بھی (صف ماتم) کہا ہے
تقریباً چالیس سال پہلے جب حیدرآباد میں
(نواب تہور جنگ خان دوران) کے مکان میں
مجلس عزا قائم تھی اور میر انیس مرحوم مرثیہ
خوان تھے تو اتفاق سے ہم بھی ایک دن
شریک مجلس ہوے اور ہمارے ساتھ (آغا
محمد حسین متخلص شیرازی) بھی تھے جو نو وارد
اور جنکو اس مجلس عزا سے حیدرآباد میں شریک
ہونے کا یہ پہلا اتفاق تھا ہم دونوں اپنے
لئے منبر سے قریب جگہ لینے کے لئے کسی قدر
وقت سے پہلے پہونچ گئے تھے آغا نے ہم
سے خطاب کر کے کہا کہ مکان خوب است
و انتظام ہم خیلے درست ولیکن حیف است
کہ صف ماتم اینجا نیست - ہم نے ان کے ارشاد
کو نہیں سمجھا اور انھون نے مہربانی سے واقعات
بالا سے ہم کو آگاہ کیا جن کا ذکر ہم نے اوپر
کیا ہے - کچھ عجب نہیں کہ دلی بلکہ لکھنؤ میں بھی
(صف ماتم) کا طریقہ جاری رہا ہو جب ہی

تو یہ لغت مرکب فرہنگ آصفیہ میں آیا - اہل
زبان نے البتہ ستم کیا کہ اس لغت مرکب کے
لحاظ سے صرف لفظ (صف) کو بھی چٹائی
کے معنون میں لکھا - بہر حال محقق دہلوی یعنی
صاحب فرہنگ آصفیہ نے اس پرانی اصطلاح
کو مٹنے نہ دیا - افسوس ہے کہ انھون نے
اس کی کامل تعریف نہین کی - صاحبزادہ محمد
کمال لکھنوی نے قدمائے لکھنؤ اور خاندان
انیس و دبیر سے اس لفظ کی تحقیقین
کی اور اپنے معلومات مجردہ سے اس مرکب
کی تردید کر دی - اب ہم عرض کرتے ہین کہ
مجرد (صف) بمعنی چٹائی و بوریا نہین ہے
بلکہ بمعنی فرش مخصوص ہے اور مناسب یہی
ہے کہ ہم اسکو اردو مانین جیسا کہ صاحب فرہنگ
آصفیہ کا خیال ہے لیکن (صف ماتم) بمعنی
فرش خاص خاصا مرکب اضافی اور بلا
تامل زبان معاصرین عجم کا لفظ ہے اور اسکے
مجازی معنے [illegible] فرش خاص [illegible] سیاہ کا
ذکر اوپر گزرا کتب لغات فارسی اگر اس

ساکت ہین تو ہوا کرین زبان کا انحصار ان کتابون پر نہین ہے۔ صاحبزادے کمال نے (صف) کو جہند کہا ہے اور ہم اپنے موضوع کے لحاظ سے جس کی صراحت (حقوق العزیز) کے گیارہوین باب مین ہوئی ہے اس کو جہند کہنا نہین چاہتے بلکہ باتفاق صاحب فرہنگ آصفیہ اردو کہین گے وضع ہو کر (صف ماتم) کا مرکب اس (اردو صف) سے متعلق نہ ہوگا۔ بلکہ معاصرین عجم کا مستعملہ مرکب اضافی بمعنی مجازی ہوگا۔ لیکن (صف) کا ماخذ اردو بھی وہی (صف ماتم) ہے جو فارسی کا مرکب اضافی ہے۔ اسی مرکب اضافی کی بنیاد پر خواص دہلی نے (صف) کو بمعنی چٹائی استعمال کیا ہے۔ صاحب (ازالۃ الاغلاط) کی دو مطبوعہ کتب لغات فارسی تک رہی جنہون نے کمی معلومات کی وجہ سے اس بحث مین غلطی کی ہے۔ مناسب ہوتا کہ ضیائے دہلوی اس بحث مین انکو اپنا رہبر نہ بناتے بلکہ محقق دہلوی کے سہارے پر میدان تحقیق مین اپنی طبیعت کا جوہر دکھاتے

صفا قرار شاہجہان پوری اور عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ اب یہ بمعنی صاف و پاک غیر مستعمل اور متروک ہے کمال لکھنوی فرماتے ہین کہ اس کا استعمال صاف کے محل پر غلط ہے۔ ضیائے دہلوی کو کمال سے اختلاف ہے آپ فرماتے ہین کہ مصدر کا استعمال بمعنی فاعل صحیح ہے اور اردو کے روزمرہ مین تو صفا بمعنی صاف بکثرت مستعمل ہے مؤلف عرض کرتا ہے زبان عربی کا لفظ ہے اور محقق دہلوی صاحب فرہنگ آصفیہ نے اس کو بمعنی مذکور اردو مین مستعمل قرار دیا ہے اور کوئی اشارہ اس کی غیر فصاحت یا ترک کا نہین کیا۔ استادان معاصر اس کو غیر فصیح نہین سمجھتے۔ استادان سلف اور معاصر دونون کے کلام مین اس کا استعمال ہے اور ہمارا ذوق بھی اس کے استعمال کو پسند کرتا ہے (آتش ؎) صفا ہوا نہ ریاضت سے نفس امارہ

کوئی نجاست سگ کا ازالہ کیا کرتا ⁂ (داغ سے)
آئینہ منہ پہ بُرا و بھلا کہتا ہے ⁂ سچ یہ ہے صاف
جو ہوتا ہے صفا کہتا ہے ⁂

طائے حطی

طرفدار عشرت لکھنوی فرماتے ہیں کہ اس
کو اضافت کے ساتھ بمعنی جانب دار باندھنا جیسا کہ
حضرت امیر مینائی نے باندھا ہے ناجائز ہے اور
بغیر ترکیب اضافی اردو میں صحیح۔ صاحب فرہنگ
آصفیہ نے (طرفدار) پر فرمایا ہے۔ پاسداری
کرنے والا۔ ساتھی۔ حامی۔ حمایتی۔ مددگار۔
جانب دار (امیر سے) ہوا جب سے وہ گل طرفدار
غیر ⁂ مرے حق میں کانٹے ہی بویا گیا ⁂ مؤلف
عرض کرتا ہے کہ (طرفدار) بمعنی جنبہ دار۔ فارسی
کا اسم فاعل ترکیبی ہے معاصرین عجم کہتے ہیں "
او طرفداری دشمن می کند " یعنی جنبہ داری ⁂
اور یہ معنے اس لئے صحیح ہیں کہ طرف فارسی
میں بمعنی میلان مستعمل ہے جیسے (طرف کلاہ)
پس بقاعدۂ فارسی (طرفداری) بمعنی جنبہ
داری) اور (طرف دار) بمعنی (جنبہ دار)
صحیح ہے۔ اور فارسیون نے (طرف گرفتن)
بمعنی حمایت کردن کہا ہے (دیکھو بحر عجم و بہار
عجم) (عرفی سے) نہ گرفتہ ز انصاف تو وہم گزاف ⁂ شادی طرف شادی و غم جانب غم
را ⁂ جب فارسی میں طرف بمعنی حمایت مستعمل
ہے تو (طرفدار بمعنی حمایتی اسم فاعل ترکیبی فارسی
ہونے میں کیا شک۔ اگر عشرت لکھنوی کو
فارسی پر عبور نہ تھا تو جناب امیر مینائی
کے کلام پر اعتراض کرنے سے پہلے لازم تھا
کہ فارسیونکے کلام کی سیر کرلیتے۔

عین مہملہ

عادی کمال لکھنوی فرماتے ہیں یہ بمعنی عادت
گیرندہ غلط ہے ضیا دہلوی نے فرمایا ہے
کہ قاآنی نے اپنی گلستان میں اسکو بمعنی عادت
کردہ شدہ یعنی وہ چیز جس کی عادت کیگئی
ہو لکھا ہے " خادم از ین معنی غافل کہ این
سخن عادی امیر است " آپ فرماتے ہیں کہ
ہمارے روزمرہ میں بمعنی عادت گیرندہ مستعمل
ہے اور شعر (وزیر لکھنوی سے) ذکر ابرو

کی زبان عادی ہوئی ٭ بات سیدھی بھی جو
کی تیڑھی ہوئی ٭ (آتش لکھنوی سے) تلخ کامی کا
شہد ہے سودا سے زلف یار مین ٭ عشق
نے کیا ہے زہر کا عادی مجھے ٭ مؤلف
عرض کرتا ہے کہ صاحب فرہنگ آصفیہ نے
اس لفظ کو اردو کہا ہے۔ اور نزاکت سے
کام نہین لیا۔ ہم کو ضیا سے اتفاق ہے
اور کمال سے اختلاف۔

عرصہ [بقول کمال لکھنوی بمعنی روزگار
و زمانہ و مدت فارسی اور عربی نہین ہے بلکہ
ہندی ہے جس کا استعمال بترکیب فارسی نہ
ہونا چاہئے۔ حضرت لکھنوی فرماتے ہین
کہ اگرچہ آج کل زبانون پر جاری ہے۔ مگر احتیاط
لازم اس لئے کہ یہ بمعنی میدان صحیح ہے۔ بقول
قرار شاہجہانپوری متروک۔ ضیا سے دہلوی
فرماتے ہین متقدمین نے اس کا استعمال
انھین معنون مین کیا ہے جو معنی
حقیقی یعنی میدان کا مجاز ہے (شعر) تنگنا ہے
در عرصہ ما ہے یک دو بیت از وسعت خیال گشتہ
بصحرا اظہار جلوہ می گشت ٭ مؤلف عرض
کرتا ہے کہ صاحب فرہنگ آصفیہ نے اس کو
بمعنی زمانہ دراز فارسی کہا ہے اور بمعنی
مدت قلیل و وقفہ و اثنا (اردو) مؤلف کی رائے
مین بمعنی زمانہ و مدت مفرس ہے۔ اگر بقول
کمال یہ ہندی بھی ہوتا تو ہم اپنے موضوع کے
لحاظ سے جس کی صراحت (حیرۃ العزیز) کے گیارہوین
باب مین ہوئی ہے۔ اس کے استعمال کو بترکیب
فارسی جائز سمجھتے۔ معاصرین عجم کا روزمرہ
ہے "از عرصہ دراز مشرف بزیارت نشدم"
اردو مین بھی اس کا استعمال ہو سکتا ہے
الحاصل ہم کو ضیا سے اتفاق ہے۔ حضرت
لکھنوی اور قرار شاہجہانپوری نے ترکیب
سے بحث ہی نہین کی بلکہ اس لفظ کو بمعنی
مدت غیر صحیح اور قابل ترک قرار دیا ہے
(غالب) کرتا ہون جمع پھر جگر لخت لخت کو ٭
عرصہ ہوا ہے دعوت مژگان کئے ہوئے ٭
(ناسخ سے) ہو گئی بالکل ہماری عمر غفلت
مین بسر ٭ عرصہ اپنی زندگانی کا مگر اک خواب تھا ٭

عطر | بقول کمال لکھنوی یہ ترکیب فارسی
غلط ہے جیسے عطر گلاب ۔ عطر اگر اس لئے
کہ اگر اور گلاب ہندی ہیں ۔ ضیائے دہلوی
فرماتے ہیں کہ اگر کے ساتھ گلاب کو کیوں
ہندی کہا گلاب تو فارسی ہے اور سالک
قزوینی نے (عطر گلاب) کا بھی استعمال کیا
ہے (ص) رنگ خامی را بدل کردم بہ بے
پختگی ٭ تا بجہانگیری کنم عطر گلابم کردہ اند ٭
آپ ہی فرماتے ہیں کہ استاد جلال نے بھی اپنے
کلام میں عطر گلاب کا استعمال کیا ہے (ص)
جب نسیم آتی ہے کھلجاتا ہے غنچہ دل کا ٭
جب شمیم آتی ہے جل جاتی ہے وہ عطر گلاب ٭
کمال نے یہ بھی فرمایا ہے کہ شعرا نے (عطر
عروس) جو لکھا ہے اس میں بھی کلام ہے
ضیا نے یہ جواب دیا ہے کہ عروس بمعنی نو کتخدا
لغت عرب ہے ۔ اور اس کا اطلاق زن پر
زیادہ ہے لہذا (عطر عروس) کی فارسی
ترکیب درست ہے نیز آپ نے فرمایا ہے
کہ عروس علم ہے اور اعلام کو بہ ترکیب
فارسی استعمال کرنا قباحت نہیں رکھتا مولف
حقیر عرض کرتا ہے کہ تصحیح ضیا کا ماحصل
یہ ہے کہ آپ نے (عطر اگر) کے متعلق کمال
کے قول کو مان لیا اور کوئی جواب نہ دیا یا یوں
کہو کہ اس کا جواب ہمارے لئے چھوڑ دیا
(کم ترک الاول للآخر) اب مولف عرض
کرتا ہے کہ اگر سنسکرت کا لغت ہے اور فارسیوں
نے اسکو مفرس کرکے استعمال کیا ہے (دیکھو
آصف اللغات) پس (عطر اگر) کی ترکیب
بھی صحیح ہے ۔ اور (عطر عروس) کی ترکیب
کے متعلق بھی ہم کو ضیا سے اتفاق ہے ۔

عظمت | بقول کمال لکھنوی بفتح اول
و بسکون دوم غلط اور تحقیق صحیح ضیائے
دہلوی فرماتے ہیں شعرا کے تصرف نے
فارسی میں اسکو بسکون دوم استعمال کیا ہے
(جلال اسیر ص) شبہا کہ در سراسر گلزار ایستادہ ٭
خمی افگند کلاہ ز عظمت بر آسمان ٭ (امیدی
ص) بر شد علوے احمدؐ بان ز عظمتش عرش ٭
آستان ٭ با عظمتش ہفت آسمان چراغ ہفت

اطباق زمین ۔ مؤلف عرض کرتا ہے کہ حضرت فارسیون نے اس کو اس تصرف کے ساتھ مفرس کہا ہے۔ بلکہ استادان اردو نے بھی اسی مفرس کو اردو مین لیا ہے (داغ ۔) زاہد یہ اگر پست ہے مسجد سے تو کیا ہے ۔ پوچھو اس سے تو میخانے کی عظمت نہین باقی ۔ واضح ہو کہ مجھے دیدگا یہ کہ شعرا ہر ساکن کو متحرک یا ہر متحرک کو ساکن کر لینے کے مجاز ہین غیر صحیح ہے جن الفاظ کی نسبت استادان سخن نے ایسا تصرف کیا ہے انہین کا استعمال ہم بھی کر سکتے ہین ۔ ہم کو کسی ایسے تصرف جدید کا حق نہین ہے ۔ الحاصل عظمت بسکون دوم مفرس ہے ۔ اور شعراے اردو نے اسی مفرس کا استعمال اردو مین کیا ہے ۔ اگر ہم کسی موقع پر اردو مین اس کا استعمال بتحقیق کرین تو بلحاظ اعراب حقیقی غلط نہین ہے ۔

علمیت — دیکھو حیثیت جس پر اس کا بیان ہے

عین معجمہ

غرغنکہ — دیکھو تا کہ جس پر اس کی بحث ہے

غشی — عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ اب یہ بمعنی غش مستعمل نہین ہے ۔ محقق دہلوی (صاحب فرہنگ آصفیہ) نے اس کا ذکر کیا ہے اور کوئی اشارہ غیر فصاحت یا ترک کا نہین کیا ہے ۔ بعض استادان معاصر اس کے استعمال کو پسند کرتے ہین ۔ اور استادان سلف کے کلام مین اس کا استعمال ہوا ہے ہمارا ذوق ذاتی بھی اس کے استعمال کو پسند کرتا ہے (ذوق ۔) انکھین چھپولی ہوئین غشی طاری ہے ایک غفلت ہزار بیماری ہے

غیریت — دیکھو حیثیت جس پر اس کا بیان ہے

قاف

قلب — کمال لکھنوی نے فرمایا ہے کہ بمعنی دل متروک ۔ ضیا ے دہلوی کو کمال سے اختلاف ہے آپ فرماتے ہین کہ اگر ایک آدھ شخص (وسعت زبان کا دشمن) اسکو ترک کرے تو اس کا اعتبار نہین جلال

لکھنوی کے کلام مین اس کا استعمال بکثرت ہے (سے) آمادہ رہا قلب نکل پڑنے پہ جیب تک ٭ قاصد نے گر سے خط دلبر نہ نکالا ٭ (ولہ) فراق دلبر مین چین کیسا خیال جانا نہین خواب کس کا ٭ ستم کیا قلب نے بہک کر غضب کیا آنکھ نے جھپک کر ٭ صاحب فرہنگ آصفیہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اور کوئی اشارہ غیر فصاحت یا ترک کا نہین کیا مؤلف عرض کرتا ہے کہ ہم کو ضیا سے اتفاق ہے جلال ہی پر کیا منحصر ہے اور استادون نے بھی اس کا استعمال کیا ہے (اختر شاہ اودھ) عشق جب تک نہ تھا اچھا تھا پر اب عاشق ہون ٭ آئینہ بن کے ہوا قلب مکدر میرا ٭

قوتِ حافظا یہ ایک مرکب اضافی ہے جس مین بضرورت قافیہ ہاے ہوز کو ہم نے اپنے کلام مین الف سے بدلا ہے۔ استادان معاصر بالاتفاق اس کے مخالف ہین ہمارے استادون نے بھی اس کی ناجوازی کا اظہار ہم سے کیا۔ اور ہم نے اس لئے اس کو اپنے کلام مین رہنے دیا کہ ہم کو حلقۂ زبان کا تنگ کرنا پسند نہ تھا۔ استادان مسلم الثبوت نے فارسی الفاظ مرکبہ مین ایسا تصرف بضرورت قافیہ کیا ہے یعنی (عاشقانہ) کو رند نے (عاشقانا) کر لیا ہے۔ اور آپ ہی نے (آب ودانہ) کو (آب ودانا) باندہا ہے اور آپ ہی کے کلام مین (آئینہ خانہ) مین اسی قسم کا تصرف ہوا ہے یعنی (آئینہ خانا) کا استعمال ہوا ہے ہر ایک کا مثالی شعر (حیوۃ العزیز) کے گیارہوین باب مین نقل ہوا ہے۔ اور شہید دہلوی نے مرکب اضافی مین بھی ایسا ہی عمل کیا ہے (ولہ) وہ بھی یارب عجب زمانا تھا ٭ اس کے گھر میرا آنا جانا تھا ٭ جب وہ کوچہ مرا ٹھکانا تھا ٭ سر تھا اور سنگ آستانا تھا ٭ اب ہم استادان معاصر سے اس استفسار کی معافی چاہتے ہین کہ (عاشقانا) (آب ودانا)، (آئینہ خانا) کو تو آپ صحیح خیال فرماتے ہین اور (سنگ آستانا) کو صحیح نہین سمجھتے اسکی کیا وجہ ہے (جواب برنجاست)

ہم نے عمداً اس کا استعمال اپنے کلام مین
کیا ہے محض اس لئے کہ جس چیز کو قدما نے
معقولیت کے ساتھ جائز رکھا ہے اور اونکا
یہ طرز عمل محض اس لئے تھا کہ حلقۂ زبان
تنگ نہ ہو اس کے خلاف عمل کرنے کا معیار
کو کیا حق ہے۔ اون اُستادان معاصر سے
جن کو سرپرست زبان ہونے کا دم و دعویٰ
ہے۔ ہماری التماس یہ ہے کہ وہ اپنے کلام
مین اس کا استعمال کرین۔ اور آنے والی
نسلون کو وسعت زبان کا سبق پڑھائین
زمانہ تو اس کا مقتضی ہے کہ مجتہدان زبان
نئے نئے استعمالات جائزہ سے حلقۂ زبان کو
وسیع کرین نہ یہ کہ قدما کے استعمال کو ترک
کر کے حلقۂ زبان کو روز بروز تنگ کرین۔

کاف

کاکل صاحب فرہنگ آصفیہ نے اسکو فارسی
کہا ہے۔ اسم مؤنث۔ سر کے بڑے بڑے آگے لٹکے ہوئے
بال۔ پٹہ۔ زلف۔ گیسو۔ جٹا۔ لٹ۔ جلال لکھنوی نے اپنی
تالیف (سرمایۂ زبان اردو) مین اس کو
ترک کیا ہے۔ مؤلف عرض کرتا ہے کہ فارسی
مین بقول بہار عجم موے تارک سر و این
غیر زلف است (جعفر بیگ سے) فرقے
میان کاکل و زلف بتان کجاست؛ شوریدہ
را دماغ و دل انتخاب کو؛ (عباس قلی خان
سے) زلف از کاکل پریشان خاطر است؛
زیر دست چون خودی بودن بلاست؛ صاحب
برہان نے بھی موے میان سر کہا ہے۔
صاحب فرہنگ انجمن آرائے ناصری نے
فرمایا ہے کہ کاکل و زلف خاصہ در ایران
متداول است۔ بخراسان و خوارزم کاکل
دارند و زلف ندارند۔ خان آرزو نے
سراج اللغات مین فرمایا ہے مخفف کاکل
کول یعنی موے میان سر۔ فارسیون نے
زلف کی تعریف مین کوئی اشارہ کاکل کا نہین
کیا مؤلف کی راے مین محقق دہلوی کا
مسلم ہے کہ کاکل کو بمعنی زلف۔ فارسی
کہا اور زلف کے معنون مین کاکل کو لکھدیا
اگر شعراے اردو نے ان دونون کو ایک

سمجھکر استعمال کیا ہو تو قیاس یہی چاہتا ہے
کہ کاکل بمعنی زلف کو مجازا اور ہند کہا جاسے
اور ہماری راسے اور موضوع کے لحاظ سے
جسکی صراحت (حیوۃ العزیز) کے گیارہوین
باب مین ہے کاکل کو ہند کہہ سکتے ہین پس
کاکل کو اردو استعمال مین بمعنی زلف بہ ترکیب
فارسی استعمال کرنا اس حالت مین صحیح ہو سکتا
ہے۔ محقق دہلوی کا تسامح ہے کہ آپ نے
(کاکل پیچان) کو قائم کرکے اس کی تعریف
مین خمدار زلفین لکھی ہین۔ اور ناسخ کے کلام
ذیل سے سند دی ہے (س) باندھے ہین
کاکل پیچان کے جو اکثر مضمون پہ اس لئے
رکھتے ہین معنے مرے اشعار کے پیچ پہ ہم
یہ عرض کرتے ہین کہ فارسی زبان مین کاکل
کی صفت مین پیچان کا استعمال غلط نہین ہے
اس لئے کہ موی کاکل بھی مثل زلف پیچدار
ہوتے ہین۔ پس ہماری تحقیق یہ ہے کہ
ناسخ کے کلام مذکور مین (کاکل پیچان) بمعنی
حقیقی بہ ترکیب توصیفی ہے۔ محقق دہلوی کا
فرض تھا کہ (کاکل پیچان) پر دونون معنے
یعنی حقیقی و مجازی کا ذکر کرتے اور صراحت
فرماتے کہ بمعنی حقیقی فارسی ہے اور بمعنی
مجازی ہند۔ البتہ غالب کے کلام ذیل
مین (کاکل مشکین) کی ترکیب توصیفی بر
سبیل تہنید ہے۔ اس لئے کہ غالب نے
کاکل مشکین بمعنی زلف مشکین باندھا ہے۔
(س) سبزۂ خط سے ترا کاکل مشکین نہ دبا
یہ زمرد بھی حریف دم افعی نہ ہوا۔ قاتل۔

کام نکلتا عشرت لکھنوی فرماتے ہین
کہ اب اس کی جگہ (کام نکلتے) کا استعمال
ہے مولف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ مومن کے
کلام مین اس کا استعمال بھی ہوا ہے لیکن
ہمارا ذوق ذاتی عشرت کے موافق ہے
(مومن س) کیون کام طلب ہے مرے
آزار سے گردون پہ ناکام سے دیکھا ہے
کبھی کام نکلتا ۔

کبھو عشرت لکھنوی اور قرار شاہجہانپوری
فرماتے ہین کہ یہ اب متروک ہے اور اسکے

عرض کبھی کا استعمال ہے مؤلف عرض کرتا ہے محقق دہلوی (صاحب فرہنگ آصفیہ) نے اس کا ذکر فرمایا ہے۔ اور کوئی اشارہ اس کی غیر فصاحت اور ترک کا نہیں فرمایا جلال نے (سرمایۂ زبان اردو) میں فرمایا ہے یہ روزمرہ متقدمین کا تھا۔ لیکن فصحای متاخرین اسے نہیں بولتے اور اس کے مقام پر کبھی کا لفظ استعمال کرتے ہیں مؤلف عرض کرتا ہے کہ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ دلی میں مستعمل اور لکھنؤ میں متروک ہے ہمارا ذوق دونوں کے موافق ہے (میر تقی سے)

دل سے عشق رخ نکو نہ گیا ٭ جھانکتا تاکنا کبھو نہ گیا ٭ (ظفر سے) آگے تو ہم سے اس قدر نہ تھا کبھو الگ الگ ٭ اب ہوئی ایسی کیا خطا رہتا ہے تو الگ الگ ٭ (ذوق سے) مرے ہے جو موت کے عاشق بیاں کبھو کرتے ٭ مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے ٭

کتاتیوں سے　عشرت لکھنوی فرماتے ہیں کہ اگرچہ ذوق کے کلام میں اس کا استعمال ہے لیکن اب کتایوں سے مستعمل ہے تو ارشاد جہانپوری نے فرمایا ہے کہ اب اس کا استعمال کتابت سے ہے (ذوق سے)

بات قسمت کی ہے کہ لکھتے ہیں نہ خط وہ کن کن کتاتیوں سے مجھے ٭ مؤلف عرض کرتا ہے کہ واہ رے ذوق اور اللہ رے ذوق روح پاک حضرت ذوق خواب میں ہم سے تحریف کی شاکی ہے۔ دیوان مطبوعہ مطبع اسلامیہ لاہور بزبان حال کہہ رہا ہے کہ اس شعر میں (کتاتیوں) کا استعمال نہیں ہے۔ بلکہ (کنایتوں) کا استعمال بہ نون دوم ہے جو کنایت کی جمع ہے اور غزل کا قافیہ چلا آرہا ہے کہ کتاتیوں کو یہاں دخل نہیں ہے۔ ہم نے خیال کیا کہ کاتبان (اسٹیم پریس لاہور) اور (مطبع گلشن ابراہیم لکھنؤ) نے شاید ان دونوں سال مؤلفہ عشرت و قرار میں غلطی کی ہو لیکن معلوم ہوا کہ نقل شعر ہی میں غلطی نہیں ہے۔ بلکہ جناب عشرت نے جلی سے

(کناتیون) کو قائم کرکے اس کے ذیل مین ترک کی
بحث کی ہے اور ضمن بحث مین دو جگہہ پر (کناتیون
سے) اور (کنایون سے) لکھا ہے اور حضرت
قرار نے بھی ایسا ہی کیا ہے اور (کنایون سے) جو
چھپ چکا تھا کاٹ کر سرخ روشنائی سے
(کنایت سے) کی اصلاح کی ہے۔ اس طرز
عمل سے واضح ہے کہ کناتیین مطبع کی کوئی غلطی
نہین ہے بلکہ ان دونون بزرگون نے (کناتیون)
ہی سے کام لیا ہے۔ اور اسی کے متعلق اصلاح
زبان کی ہے۔ اب ہم عرض کرتے ہین کہ دیوان
ذوق کی کتابت سے قطع نظر ذوق زبان سے
بھی کام لیا جاتا تو ضمیر سے یہ صدا بلند ہوتی
کہ ذوق نے کناتیون کا استعمال کیا ہے جو
کنایت عربی کی جمع اردو ہے اور یہ ظاہر ہے
کہ اردو مین کنایہ بہ ہاے آخر مذکر ہے جسکی
جمع اردو (کنایون) ہے اور کنایت بہ تاے
آخر اردو مین مؤنث ہے اور اسکی جمع اردو
(کناتیون) ہے اب استادان معاصر غور فرمائین کہ
ذوق کا استعمال کیا تھا اور سرپرستان
زبان نے اس کو کیا سمجھا اور کس لفظ کو متروک
قرار دیا اور کیا ہدایت کی۔ لسان الغیب اس
زبان پر رحم فرمائے اور اس کو ان آفات سے
بچائے۔ ایسے نکتہ شناس افراد داغ اور امیر
مینائی اور ذوق کی زبان کی نسبت غیر فصاحت
کا الزام دہرتے ہین اور اصلاح زبان کا دعوی
کرتے ہین۔ جن کا ذوق۔ ذوق کے کلام مین
کنایتہا اور کنایت کا فیصلہ نہ کرسکا۔

کٹاتا عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ اب
یہ غیر فصیح اور کٹوانا فصیح ہے۔ صاحب فرہنگ
آصفیہ نے اسکو عوام کی زبان کہا ہے (آتش

سے) کس خوشی سے دوڑکر عاشق کٹاتے ہین
گلا۔ نقش حب اسے ترک جو ہر ہے تری شمشیر
کا۔ مؤلف عرض کرتا ہے کہ جب اس کا استعمال
آتش کے کلام مین موجود ہے تو کبھی نہ کہا
جائیگا۔ کہ یہ زبان عوام کی ہے۔ بعض استادان
معاصر اس کے استعمال کو پسند کرتے ہین اور
ہمارا ذوق بھی یہی ہے۔

کروادی قرار شاہجہانپوری فرماتی ہین

کہ اب یہ متروک ہے۔ اور اس کے عوض
(کرادی) مستعمل۔ صاحب فرہنگ آصفیہ نے
کرانا اور کروانا دونوں کا ذکر بمعنی (کوئی کام
لینا) کیا ہے۔ اور فصحاے معاصر نے بھی
کروانا کا استعمال فرمایا ہے (جلال ؎) جبنا
سے تو یہ ہماری وفا نے کروادی ٭ بلا کے
ہم کو وہ پچھتائے امتحان کے لئے ٭ مؤلف
دونوں کے استعمال کو فصیح خیال کرتا ہے۔

کروادیگی قرار شاہجہان پوری فرمایا
ہے کہ اب یہ مستعمل نہین ہے اس کے عوض
(کرادیگی) مستعمل ہے مؤلف عرض کرتا ہے
کہ (لفظ گذشتہ پر بھی اپنا خیال ظاہر کیا ہے
اور یہ بھی اسی سے متعلق ہے۔ اور جلال
لکھنوی نے اس کا استعمال بھی اپنے کلام
مین کیا ہے۔ اور ہماری راے مین غیر
فصیح نہین ہے (جلال ؎) بچنا سے تو یہ
کروادیگی تجکو او ستم پیشہ ٭ وفا معلوم
ہوجائیگی وقت امتحان میری ٭

کرسے ہے قرار شاہجہان پوری فرماتے
ہین کہ اب یہ متروک ہے اس کے عوض کرتی
ہے مستعمل مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ ذوق
کے کلام مین اس کا استعمال ہے لیکن ہمارا
ذاتی ذوق قرار سے متفق ہے (ذوق ؎)
کرسے ہے کام تیغ یار کس کس آبداری سے ٭
دکھاتی اپنی گلکاری ہے کیا کیا زخم کاری سے ٭

کرسے ہین قرار شاہجہان پوری فرماتے
ہین کہ اب اسکی جگہ کرتے ہین مستعمل ہے مؤلف
عرض کرتا ہے کہ اگرچہ میر کے کلام مین اس
کا استعمال ہے لیکن ہمارا ذوق ذاتی قرار
سے متفق ہے (میر ؎) ناحق ہم مجبوروں
پر یہ تہمت ہے مختاری کی ٭ چاہتے ہین سو آپ
کرسے ہین ہم کو عبث بدنام کیا ٭

کڑی کرنا عشرت لکھنوی نے جناب امیر
مینائی کے کلام کی نقل کرتے ہوئے فرمایا
ہے۔ ذم کا پہلو رکھتا ہے اور عامیانہ بولی
ہے (امیر ؎) کڑی اتنی نہ کر رسوا کریگی کیا
قیامت مین ٭ کہین اے سخت جانی ہاتھ
چھوٹا ہو نہ قاتل کا ٭ جلال لکھنوی نے

(سرمایۂ زبان اردو) میں کڑی پر متعدد معنے
لکھے ہیں۔ اور محقق دہلوی (صاحب فرہنگ
آصفیہ) نے بھی۔ اور اسی طرح بقول
محقق دہلوی کڑنا کے چھبیس معنے ہیں مؤلف
حقیر جناب عشرت لکھنوی سے پوچھتا ہے
کہ براہ مہربانی بصراحت ارشاد ہو کہ اس مصدر
مرکب میں کس طرح ذم کا پہلو ہے۔ کیا
فصحائے حال اور مصلحین زبان نے (کڑنا)
کے مصدر کو ترک کر دیا ہے اگر حق پوچھو تو
(کڑانا) کا مصدر قابل ترک ہے جس کی جانب
توجہ نہیں ہوتی۔ اور ایک فصیح مصدر کو
جس سے زبان کو چارہ نہیں ہے۔ ناحق و
ناروا ترک کروانے کی کوشش ہوتی ہے
صدہا مصدر کرنا کے ساتھ مرکب ہیں نہ معلوم
آپ کس کس کو ترک کرائینگے جب شعرائے متین
(سخت جانی) سے خطاب ہے تو شاعری کا
اقتضا یہی ہے کہ اس کے مناسب حال الفاظ
کا استعمال ہو اگر شعرا سے نازک خیال اپنے
محاورون کو صرف (مصدر کرنا) سے بچنے کے
لیے ترک کر دیں تو زبان غارت ہوگی (کڑی
کرنا) کا مصدر مرکب اگر استعمال سے ترک ہو
تو کتب لغات سے بھی ترک ہوگا جب بقول
جلال لکھنوی و محقق دہلوی کڑی بمعنی سختی
و سخت زبان ہے تو پھر (کڑی کرنا) میں کونسا
ذم کا پہلو ہے جس کے لحاظ سے آپ اس کو
عامیوں کی زبان کہتے ہیں۔ اور جب آپکے
روبرو امیر مینائی کا کلام فصاحت نشان موجود
تھا تو آپ کے قلم سے کیونکر ایسا مکروہ لفظ
نکلا۔ سچ یہ ہے کہ جن طبائع کو شاعری کا
ذوق نہیں وہ نزاکت مضمون کو کیا جانیں
اور جس طبیعت نے ذوق کے کلام میں
کنایتوں کو کنایتوں سمجھکر ترک کا حکم دیا ہو
(دیکھو کنایتوں سے) وہ امیر مینائی کے
لطائف سخن کو کیا سمجھے۔

کسر — کمال لکھنوی فرماتے ہیں کہ یہ لفظ
بمعنی کمی و نقصان بفتحتین غلط ہے۔ اور
بسکون دوم استعمال کرنا چاہئے۔ ضیائے
دہلوی فرماتے ہیں کہ بسکون دوم بمعنی تنگی

بے شک صحیح ہے لیکن فصحاے ہند متقدمین
بھی کبھی و نقصان استعمال کرتے ہین۔ اور
ان مضمون مین ہوتا ہے (داغ ؎) صلح مین
تکرار باقی رہ گئی ﴿ کچھ کسر ہے پر باقی رہ گئی ﴾
مؤلف عرض کرتا ہے کہ صاحب فرہنگ آصفیہ
نے اسکو بمعنی کبھی (نقص) (اردو) کہا
ہے۔ ہمارے اس موضوع کے لحاظ سے یہا
کی صراحت ہم نے (حیاۃ العزیز) کے گیارہوین
باب مین کی ہے۔ ہم اس کو ہندی کہنا ہی بہتر
سمجھتے ہین۔ اور ہم کو [illegible] سے اتفاق ہے
(فرہنگ آصفیہ ؎) لاحول ولا قوۃ یہ کوئی
بشر ہے ﴿ صورت مین ہے ملکو کی کچھ ہم مین
کسر ہے ﴾ (تسلیم ؎) اب تک رہے آزار
ہے کیون ﴿ کیا کسر تم نے اٹھا رکھی ہے۔

کس طرح سے (قرار شاہجہان پوری)
فرماتے ہین کہ اب اس کا استعمال متروک
ہے اور اس کے عوض (کس طرح) مستعمل
ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ فصحاے معاصر
کے کلام مین اس کا استعمال موجود ہے اور
ہمارا ذوق بھی اس کے استعمال کو پسند کرتا
ہے (داغ ؎) اس طرح کس طرح
سے رہ جاتے ﴿ ہو سکے بادل برس تک کہا

کسو (عشرت لکھنوی و قرار شاہجہان
پوری) فرماتے ہین کہ اب یہ متروک اور اس
کے عوض کسی کا استعمال ہے۔ صاحب فرہنگ
آصفیہ نے اس لفظ پر لکھا ہے کہ یہ پرانی
ہندی ہے۔ فی الحال ٹکسال باہر البتہ
دیہات کی عورتین اب بھی بولتی ہین۔
مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ استادان
سلف کے کلام مین اس کا استعمال ہے
لیکن ہمارا ذوق اس کے خلاف ہے (میر
تقی ؎) باتین ہماری یاد رہین پھر باتین
یہ نہ سنیے گا ﴿ پڑھتے کسو کو سنیے گا تو دیر تک
سر دھنیے گا ﴾ (ظفر ؎) ہم کو پوشیدہ ہین
پیغام کسو کے آتے ﴿ خط پہ خط روز ہین بے
نام کسو کے آتے ﴾ (شاد ؎) لاغر وہ ہون
نحیف ہے لاغر یہ تن کسو کا ﴿ مجنون کے
بھی بدن کا نحول ہے شلوکا ﴾

کفّارہ | عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ بدون
تشدید صحیح نہین مؤلف عرض کرتا ہے کہ آپ کو یہ اپنا
اس کی اطلاع نہین ہے کہ فارسیون نے بدون
تشدید بھی استعمال کیا ہے (میر معزی ؎)
دی سجادہ ہمی کردی گنہے نہال بدنمے نوش
وگناہت را امروز کفارہ کن ٭ استاد آتش نے
اردو مین بھی بہ تخفیف استعمال کیا ہے پھر آپ
کس بنیاد پر اس کو غیر صحیح اور غیر فصیح فرماتے
ہین۔ (آتش ؎) رنگ زرد و لب خشک و
مژہ خون آلود ٭ کشتۂ عشق ہین ہم ہے یہہ
کفارہ اپنا ٭ اگرچہ صاحب فرہنگ آصفیہ نے
اس کو تشدید ہی سے لکھا ہے۔ اور عربی
مین بھی لغوی تحقیق تشدید ہی سے ہے لیکن
جب یہ بتخفیف مفرس ہو گیا ہے تو پھر آتش
کے استعمال کے خلاف اردو مین متروک ہونے
کی کیا وجہ۔ استعمال مشدد بھی خلاف ذوق
زبان نہین ہے (صریر ؎) یہ شغل جو اشک
و آہ کا ہے ٭ کفارہ مرے گناہ کا ہے ٭
بعض استادان معاصر کو بھی عشرت سے اختلاف
ہے اور ہمارا ذوق اس کے استعمال کو
دونون طرح پسند کرتا ہے۔

کمتی | اقرار شاہ جہان پوری نے اس کو
متروک کہا ہے۔ اگرچہ صاحب فرہنگ
آصفیہ نے اس کا ذکر کیا ہے اور غیر فصحا
یا (عوام) کا اشارہ نہین کیا ہے۔ اور
استادون کے کلام مین بھی اس کا استعمال
ہے۔ لیکن ہمارا ذوق ذاتی اس کے عوض
کم کے استعمال کو پسند کرتا ہے (شاد ؎)
کیا لہو رونے کی کمتی شاد مجھ ناشاد کو ٭ خون دل
پر آرزو ہے جان پر ارمان سمیت ٭

کمخاب | کمال لکھنوی فرماتے ہین کہ یہ
لفظ بمعنی قماش معروف ہندی ہے اور
اس کا مفرس کمخا۔ پس کمخاب کا استعمال
بہ ترکیب فارسی غلط ہے جیسے "فرش
کمخاب" ضیاے دہلوی نے اسکو فارسی
مانا ہے اور اعراب مین اختلاف یعنی بالکسر
و بالفتح دو نو صحیح۔ اور کمخا کو کمخاب کا مخفف
کہا ہے اور استعمال اردو کی سند (میر باقر حسین

ضیائے لکھنوی) کے کلام سے دی ہے (سو)
سجاوٹ ہے کمخاب وزربفت سے تو کہ پڑتا
ہے عکس آمد ورفت سے ۔ مؤلف عرض
کرتا ہے یہ لفظ زبان فارسی کا مرکب ہے بقول
صاحب برہان قاطع بکسر اول بروزن گرداب
بمعنی کمخا کہ جامۂ منقش الوان باشد و بہ فتح
اول ہم آمدہ و جامۂ منقش یک رنگ را نیز
گفتہ اند ۔ صاحب فرہنگ انجمن آرائے ناصری
نے کمخا پر کہا ہے ۔ بالکسر جامۂ کہ بالوان مختلف
باشد و اصح بہ فتح کاف و اضافۂ خا و واو کہ
(کمخواب) شود یعنی خواب کم دارد چہ ہر چہ
خوابش بیشتر است پشمش یا ابریشمش دراز
تر و درشت تر و آنچہ ظاہر می شود کہ (خاب
مخمل) بے واو بود و کمخا مخفف کمخاب و شعرا
دران تصرف کردہ اند ۔ صاحب برہان جامع
نے فرمایا ہے کمخا و کمخاب ہر دو بکسر اول جامۂ
منقش الخ ۔ صاحب فرہنگ رشیدی نے
کہا ہے کہ کمخا بالکسر و اصح بفتح کاف مخفف
کمخواب یعنی خواب کم دارد ۔ خان آرزو ۔

سراج اللغات میں صاحب ناصری کے ہمزبان
ہیں ۔ صاحب بہار عجم کہتے ہیں کہ چون خوابہ
اش نسبت بہ خوابۂ مخمل کم می باشد چنین تسمیہ
کردہ اند و برین تقدیر صحیح کم خواب و کمخا مخفف
آن ۔ مؤلف عرض کرتا ہے کہ اس کے ماخذ
اور وجہ تسمیہ میں محققین فارسی زبان نے جو
طبع آزمائی فرمائی ہے وہ بے اصل ہے ۔ خاب
یا خواب کی تحقیق سے اس کی حقیقت ظاہر
ہوتی ہے ۔ صاحب بہار عجم کہتے ہیں لباسے کہ
خواب کم برد کمخواب است یعنی کم خواب پوشش
آرام سے نہیں سو سکتا ۔ قبائے کمخوابی
پہننے سے نیند کم آتی ہے یعنی یہ لباس بیداری
کا ہے ۔ اسی کو کم خواو بھی کہتے ہیں جو موحدہ
واو سے بدل کر بنا ہے جیسے آب و آو اور
کمخواب بے شک مخفف ہے کم خواب کا اور نیز کمخا
بحذف واو بھی کمخواب کا مخفف ہے ۔ لغت
اصل بفتح اول اور واو کے ساتھ ہے ۔
صاحب فرہنگ آصفیہ نے کمخاب پر فرمایا ہے
کہ یہ لفظ خوابہ بمعنی روئیں اور کم یعنی تھوڑی کی

سے مرکب ہے چونکہ اس مین مخمل کی نسبت کم
روئین ہوتے ہین اس سبب سے یہ نام
رکھا گیا (انتہی) ہم عرض کرتے ہین کہ جب ایسا
ہے تو اہل لغت نے خواب یا خوابہ کو کیون ترک
کیا اور کمخواب سے رویون کو کیا تعلق ہے
وہ تو ایک زرین بافت ہے جس مین نقش و
نگار رہتا ہے وجہ تسمیہ وہی صحیح ہے جسکو
بقول صاحب عجم ہم نے اوپر عرض کیا ہے
الحاصل کمال کا تسامح ہے کہ آپ نے کمخواب
کو ہندی سمجھا اور کمخا کو مفرس قرار دیا ہے
صاحب فرہنگ آصفیہ نے بھی کمخاب کو فارسی
مانا ہے اور لغات فرس سے بھی اس کی
تصدیق ہوتی ہے (اسیر لاہجی ؎) اطلس
و زربفت و کمخواب و قصب ٭ نیست غیر از پردۂ
در راہ رب ٭ تعجب ہے کہ بعض اہل لغت
نے اس شعر مین تحریف کر کے بعوض کمخواب
کمخا نقل کیا ہے اور اصل مین کمخواب ہے

کتنے | قرار شاہجہان پوری نے فرمایا ہے
کہ اب یہ متروک ہے۔ اور کسی نے مستعمل

مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ شعرائے سلف
کے کلام مین اس کا استعمال ہے لیکن ہمارا
ذوق کتنے کو پسند کرتا ہے (سوداؔ ؎) یہ
باغ کہا گئی کس کی نظر نہین معلوم ٭ نہ جانے
کتنے رکھا یان قدم وہ کون تھا شوم ٭

کور | عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ اب اس
کا استعمال نور کے قافیے مین ناجائز ہے مؤلف
عرض کرتا ہے کہ اگرچہ ذوق کے کلام مین ایسا
استعمال ہے لیکن ہمارا ذوق ذاتی اس کو
نہین پسند کرتا (ذوق ؎) ازل سے یون
دل عاشق ہے نور کی قندیل ٭ کہ جیسے عرش
خدائے غفور کی قندیل ٭ سمجھتا قدر ہے
ناقص کب اس غزل کی ذوق ٭ یہ روشن
آپ سے کیون پیش کور کی قندیل ٭

کون | عشرت لکھنوی و قرار شاہجہان
پوری فرماتے ہین کہ اب یہ بھی کتنی متروک ہے
(داغ ؎) کون اٹھے کس سے ہے عادت مجھ کو
تنہائی کی ٭ پاس فردوس کے سنسان بیابان
ہوتا ٭ کمال لکھنوی تحریر فرماتے ہین کہ ایسا کا

استعمال - امر - بات - تدبیر - صورت - شغل کے
کلام وغیرہ کے ساتھ بھی متروک جیسے کون
امر - کون بات - کون تدبیر - کون صورت -
کون شغل - کون کلام ان کی جگہ کونسا امر کونسی
بات وغیرہ مستعمل ہے - ضیا سے دہلوی فرماتے
ہیں کہ ذوی العقول کے لئے کون کا استعمال
بغیر اسم اور بھی کے جیسے کون شخص کون
آدمی اور اگر اسم کا مقام نہ ہو تو اسما
زبان کے واسطے ہوئی بغیر اسم کے بھی مستعمل
جیسے شعر کون وقت ہو گیا کون
مدت گزری (ذوق ؎) کون مدت ہو گئی
ہے دل کو گھیرتے ہوئے نہ ہو لطف سخن
کرتا ہے جن الفاظ کی صراحت کمال نے کی
ضیا نے اس کا کوئی تصفیہ نہیں فرمایا جس
کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کمال
کے قول کو ان خاص الفاظ کے متعلق تسلیم
کیا ہے - اور تصحیح صرف اس قدر ہے کہ
وغیرہ کی تعمیم سے کام نہ لیا جائے صاحب
فرہنگ آصفیہ نے (کون بشر ہے) بمعنی
کون شخص ہے (کون پرائی آگ میں گرتا ہے)
(کون وہ تھے) کا ذکر فرمایا ہے - اور استاد
داغ نے اپنے کلام میں کون بمعنی کنسی کا
استعمال فرمایا ہے جو ہمارا ذوق ذاتی عشرت
و قرار کے خلاف اور کمال سے متفق اور
صراحت ضیا سے موافق ہے -

کوی | بقول کمال لکھنوی بروزن فع
متروک - ضیا سے دہلوی بذیل عنوان (تصحیح)
فرماتے ہیں کہ کمال نے صحیح فرمایا مگر یہ تو فرمایا
ہوتا کہ اس طرح باندھتا کون ہے مؤلف حقیر
کمال کی جانب سے عرض کرتا ہے - شاید
دلی میں بعض بزرگوں نے باندھا ہے جن
میں سے ایک کا مصرع بطور مثال کمال نے
لکھدیا ہے (وہ ہو نہ اع) نکلی نہ شب وصل
بھی کوی دل کی تمنا ۔ استاد داغ مرحوم نے
بھی (مہتاب داغ) کے آخر پر فرمایا ہے
کہ وہ نتی ہوئی یا کا استعمال آپ نے ترک
کیا ہے لیکن شاگردوں کو اختیار ہے کہ
ترک کریں یا نہ کریں جیسے (ع) میں کیوں

دل لگاؤں میں کیوں غم اٹھاؤں ؀ مؤلف
کا ذوق ذاتی اس کے ترک کو پسند کرتا ہے لیکن
یہ بات ہماری سمجھ میں نہ آئی کہ ضیاے دہلوی
کو جب قبول کمال لکھنوی کا اعتراف ہے تو پھر
تصحیح کیسی کیا تصحیح بمعنی صحیح شمردن بھی آیا ہے

کھائے ہے | قرار شاہجہانپوری فرماتے ہیں

کہ اب یہ متروک ہے اس کی جگہ (کہاتا ہے) مستعمل
ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ استادان
سلف کے کلام میں اس کا استعمال ہے لیکن
ہمارا ذوق ذاتی قرار سے متفق (ذوق ؎)
واہ وا شور محبت خوب ہی چٹخارا کا نمک ؀ استخوان
میرے ہما کس کس مزے سے کہائے ہے ؀

کھٹکے ہے | قرار شاہجہانپوری فرماتے

ہیں کہ اب یہ متروک ہے۔ اس کی جگہ (کھٹکتی
ہے) مستعمل مؤلف عرض کرتا ہے کہ (کھٹکتا
ہے یا کھٹکتی ہے) بحسب موقع دونوں کا استعمال
ہے بات یہ ہے کہ شعراے سلف مضارع کا
استعمال ہے کے ساتھ کرکے حال مراد لیتے تھے
اور اب معاصرین حال ہی کا استعمال کرتے
ہیں۔ اگرچہ استادان سلف کے کلام میں اس
کا استعمال ہے لیکن مؤلف کا ذوق ذاتی
قرار سے متفق ہے (غالب ؎) نظر میں
کھٹکے ہے بن تیرے گھر کی آبادی ؀ ہمیشہ
روتے ہیں ہم دیکھکر در و دیوار ؀

کھڑکا ئے ہے | قرار شاہجہانپوری

فرماتے ہیں کہ اب اس کا استعمال متروک
ہے اور (کھڑکاتا ہے) مستعمل۔ عشرت
لکھنوی (کھڑکا۔ کہجلا) پر فرماتے ہیں۔ یہ
قدامت کے مضارع ہیں اس میں (ہے)
لگا کر حال بنا لیا کرتے تھے مگر اب فصحا کی زبان
پر (حال) (کھڑکاتا ہے کھجلاتا ہے) مستعمل مؤلف
عرض کرتا ہے کہ قواعد فارسی کی رو سے
جس کی پیروی اردو میں ہے۔ مضارع
شامل ہے حال اور استقبال پر۔ لیکن اب
اردو کے شعرا حال ہی کے استعمال کو پسند
کرتے ہیں۔ اگرچہ استادان سلف کے کلام
میں اس کا استعمال ہے۔ لیکن مؤلف کا
ذوق قرار و عشرت سے متفق (ذوق ؎)

رخصت اے زندان جنون زنجیر در کھڑکا گئے
ہے ⁂ مژدہ خار دشت پھر تلوا مرا کھجلائے ہے ⁂

کھوج

حسرت لکھنوی فرماتے ہین کہ ایسا
اس کا استعمال بمعنی پتہ متروک ہے۔ صاحب
فرہنگ آصفیہ نے اس کا ذکر کیا ہے اور
جلال لکھنوی نے (سرمایۂ زبان اردو)
مین بھی اس کو اور اس کے ملحقات کو لکھا ہے
اور دونون بزرگون نے کوئی اشارہ اس
کی غیر فصاحت یا اس کے ترک کا نہین فرمایا
متعدد استادان سلف کے کلام مین اس کا
استعمال ہے اور بعض استادان معاصر بھی
اس کے استعمال کو پسند کرتے ہین۔ اور ہمارا
ذوق بھی یہی ہے (ناسخ سے) نہ اس نور
مجسم کا لگا کھوج ⁂ پھرے ایسے کہ ہارے
چاند سورج ⁂ (ذوق سے) اُسے ہم نے بہت
دھونڈا نہ پایا ⁂ اگر پایا تو کھوج اپنا نہ پایا ⁂
(مومن سے) غرض نام و نشان سارا تبا یا ⁂
دل گم گشتہ کا یون کھوج پایا ⁂ (نکہت سے)
مضمون نہ ہاتھ آئے باریکی میان کا چسکل ہے
کھوج پایا عنقا کے آشیان کا ⁂ (شمشاد لکھنوی سے)
جس گشتہ کا دنیا مین کبھی کھوج نہ پایا ⁂ وہ
کشتۂ غم چاہ زنخدان مین دیکھا ⁂ (ظفر سے)
اس لئے ڈھونڈتا پھرتا ہون دل زار کا
کھوج ⁂ گر ملے دل تو ملے خانۂ دلدار کا کھوج
⁂ (نثار سے) ہمارا کھوج کھونے کو نثار ایسا
وہ درپے ہے ⁂ اگر نقش قدم دیکھے مٹا کے
بن نہین رہتا ⁂ (نصیر سے) گو دہان
اس کمر کا ہم کو دہا ہمیشہ ⁂ پر کھوج کچھ نہ
پایا عنقا کے آشیان کا ⁂

کھینچو

قرار شاہجہانپوری فرماتے
ہین کہ اب یہ متروک ہے۔ اور اس کی جگہ
کھینچنا مستعمل ہے۔ مؤلف عرض کرتا ہے
کہ اگرچہ شعرائے سلف کے کلام مین اس
کا استعمال ہے لیکن ہمارا ذوق ذاتی قرار
سے متفق (سودا سے) تیغ جفا سے یار
سے دل سر کھینچو ⁂ پھر سہ وفا کا ہم سے
دیکھا نہ جائے گا ⁂

کھو

قرار شاہجہانپوری فرماتے ہین

کہ اب اس کا استعمال متروک ہے اور اسکی جگہ کبھو مستعمل ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ استادان سلف کے کلام میں اس کا استعمال ہے لیکن ہمارا ذوق ذاتی قرار سے متفق ہے (رند سے) کبھو اسے یاد بھی فرماتے تیرا عاشق ❊ کوچۂ یار میں گر ہو کبھی جانا تیرا ❊

کبھو قرار شاہجہانپوری فرماتے ہیں کہ اب یہ متروک ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ استادان سلف کے کلام میں اس کا استعمال ہے لیکن ہمارا ذوق ذاتی باتفاق قرار اس موقع پر کبھی کے استعمال کو پسند کرتا ہے۔ (مومن سے) مت کبھو دیر آئیے میں کیا جانے کیا بنے ❊ پہنچا ہے جذبۂ شوق نے یوسف کو چاہ میں ❊

کیجے عشرت لکھنوی فرماتے ہیں کہ اب اس کی جگہ کیجیے مستعمل ہے کمال لکھنوی نے بھی پیجے۔ دیجے۔ لیجے وغیرہ کو بروزن فعلن متروک کہا ہے اور ان کے عوض پیجیے۔ دیجیے۔ لیجیے۔ بروزن فاعلن کو فصیح فرمایا ہے۔ ضیا سے بہاری نے اسکی تردید کی ہے اور فرمایا ہے کہ اہل زبان اور فصحا میں یہ سب حسب موقع سب طرح مستعمل ہیں۔ بعض استادان معاصر کو بھی ضیا سے اتفاق اور عشرت و کمال سے خلاف ہے اور ہمارا ذوق ذاتی بھی یہی ہے (داغ سے) غضب میں جان ہے کیا کیجے بدلہ رنج فرقت کا ❊ یہ دل سے کر نہیں سکتے خوشی سے ہو نہیں سکتا ❊

کیجو قرار شاہجہانپوری فرماتے ہیں کہ اب اس کا استعمال متروک ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ استادان سلف کے کلام میں اس کا استعمال ہے لیکن ہمارا ذوق ذاتی باتفاق قرار اس کے عوض کرنا کا استعمال پسند کرتا ہے۔ (مومن سے) نہ ہو وہ بات کہ جس سے وفا میں آئے خلل ❊ کہیں نہ کیجیو ناصح سے شکوہ یار مجھے ❊

کیسے | بقول عشرت لکھنوی کیونکر کے معنون
مین غیر فصیح ہے۔ صاحب فرہنگ آصفیہ
نے اسپر غیر فصاحت یا متروک کا کوئی اشارہ
نہین کیا ہے۔ اور استادون کے کلام
مین اس کا استعمال ہے اور ہمارا ذوق
ذاتی اس کے استعمال کو پسند کرتا ہے (امیر
ہ) غضب ہے انسان دشمنیت کرکیسے
جو انسان سے بیوفائی ہو کر دیکھو حلقی کے
پاٹ کیسے ہم ہین گردش ہین تنگ ہو کر
(شہیدی ہ) اس صاحب مشکلات کیونکر
سوچ ہے ہر صبح ہو جیسے جو بریت پال کر
جاتے ہین کیسے ہو ایام مصیبت کے تو کاٹے
نہین کٹتے ہو دن عیش کے گھڑیون مین
گذر جاتے ہین کیسے ہو

کی طرح سے | قرار شاہجہان پوری
اور عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ اب یہ
متروک ہے اور بغیر کلمہ (سے) مستعمل ہے۔
مؤلف عرض کرتا ہے کہ استادان سلف
نے اس کا استعمال کیا ہے اور ہمارا ذوق
بھی اس کے استعمال کو پسند کرتا ہے (امیر
ہ) ہون بگولے کی طرح سے مین سراپا
گردش ہو رات دن پاؤن بھی چکر مین
ہین سر کی صورت ہو

کیفیت | دیکھو کیفیت جس پر اسکا بیان ہے

کیونکہ | قرار شاہجہان پوری فرماتے
ہین کہ اب یہ متروک ہے اور اسکی جگہ کیونکر
مستعمل ہے۔ صاحب فرہنگ آصفیہ نے
اس کا ذکر کیا ہے۔ اور اس کی غیر فصاحت
یا اس کے ترک کا کوئی اشارہ نہین کیا۔
مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ شعرائے
سلف کے کلام مین اس کا استعمال ہوا ہے
لیکن ہمارا ذوق ذاتی (کیونکر) کو پسند
کرتا ہے (سودا ہ) تیرے بازار مین اب
کیونکہ نگڑے سودا ہو ایک یوسف نظر
آتا ہے خریدار گئی ہو

کاف فارسی

(۱) گر (۲) گرچہ | کمال لکھنوی فرماتے ہین
کہ اب یہ دونون کلمے متروک ہو اور (اگر) (اگرچہ)

مستعمل۔ ضیاے دہلوی فرماتے ہین کہ باتباع شعراے
عجم دونون طرح کلام فصحاے ہند مین مستعمل
مؤلف کا ذوق ضیا سے متفق۔ صاحب آصفیہ
نے نمبر (۱) کا ذکر کیا ہے اور کوئی اشارہ غیر فصاحت
یا ترک کا تعین کیا اور اپنے کلام سے سند دی
ہے (ص) گر تم سے اپنی ہٹ کو ہٹا یا نجائیگا ٭
روٹھا ہوا یہ دل بھی منا یا نجائیگا۔

گھایل عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ یہ
بفتح یا ہے۔ اس کا قافیہ دل کے ساتھ ناجائز
ہے۔ صاحب فرہنگ آصفیہ فرماتے ہین کہ حضرت
ناسخ اور اکثر شعراے لکھنؤ و دہلی تو اس کو سایل
و مسائل کے وزن پر دل۔ تِل وغیرہ کے ساتھ
قافیہ باندہنا فصیح سمجھتے ہین مگر بعض اہل دہلی
اور ہندی لغات والے بفتح تحتانی فصیح اور صحیح
خیال کرتے ہین بلکہ شعراے لکھنؤ مین سے بقول
حضرت جلال شیخ امداد علی صاحب بحر نے بھی جو
حضرت ناسخ کے شاگرد رشید تھے بفتح ہی صحیح
مانا اور صندل و مخمل کے ساتھ اس کا قافیہ روا
رکھا۔ بہرحال دونون طرح جائز اور اوّل فصیح
سمجھنا چاہئے۔ جلال لکھنوی نے اپنی تالیف
(سرمایۂ زبان اردو) مین فرمایا ہے کہ اتفاق
جمہور فصحاے لکھنؤ کا اس لغت مین یاے تحتانی
کے کسرے ہی پر ہے یعنی دل اور بسمل کے
قافیے مین لاتے ہین مؤلف حقیر کا ذوق
بھی کسرۂ تحتانی کو پسند کرتا ہے (ناسخ ص)
موت ہے نزدیک میری کوے قاتل دور ہے ٭
پاس آ پہنچا ہے رہزن اور منزل دور ہے ٭
اضطراب دوری محبوب مین معذور ہون ٭
کیون نہ تڑپے اس قدر قاتل سے گھایل دور ہے ٭ (میر ص)
عشق کی چھڑین پے درپے جو اُٹھائی گئین گھایل ہے دل ٭
یون بے دم ہے اب پہلو مین جون صید گرا بسمل ہے دل ٭ (حالی ص)
نہ احباب کی تیغ احسان سے گھایل ٭
نہ بیٹے سے طالب نہ بھائی سے سائل ٭

گھورنا عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ اس
کا استعمال اب فصحا مین کم ہے۔ جلال لکھنوی
نے (سرمایۂ زبان اردو) مین اور محقق دہلوی

نے فرہنگ آصفیہ مین اس کا ذکر کیا ہے
اور کوئی اشارہ غیر فصاحت یا ترک کا نہین
کیا۔ استادان معاصر بھی اس کے استعمال کو
پسند کرتے ہین اور مؤلف کا ذاتی ذوق بھی
یہی ہے (ناسخ سہ) ہم گھورتے ہی جائینگے
تو ہر چند خفا ہو ٭ ٹلنے کی نہین ایسی ہے اَستو
اڑی آنکھ ٭ (آتش ع) تیورون کے گھورنے
کو جاتے ہین رہبر برہمن ہین ٭ (عارف سہ)
تمام رات تجھے چاند اس طرح گھورے ٭
نہ تونے آنکھ ذرا رشک ماہ دکھلائی ٭ (میر سہ)
کیا مرے آنے پہ تو اسے بت مغرور گیا ٭
کبھی اس راہ سے نکلا تو تجھے گھور گیا ٭ (نکہت
سہ) رشک آتا ہے مجھے کہد و بت دلخواہ
سے ٭ آسمان گھورتے ہے تجھکو چشم مہر و ماہ
سے ٭ (مصحفی سہ) جس نے دین آنکھین
ملا اس صنم کافر سے ٭ اتنا گھورا کہ اسے جان
سے مارا آخر ٭ (رنگین سہ) یہ رنگین مردود
جو ہے کھڑا اس سے کوئی کہدے ٭ کہ میرا
ہے تجھے گر گھورتا منظور میلے مین ٭ تو لاک
جالی کے پیچھے سے دیا چلاون کے اندر سے ٭
بچا کر آنکھ سب کی شوق سے بس گھور لیلے
مین ٭ (نسیم سہ) کہہ تو کیا اسے چارہ گر
تجکو ہوا منظور آج ٭ گھورتا ہے بے طرح
کچھ دیدۂ ناسور آج ٭

لام

لا | یعنی آ بقول قرار شاہ جہان پوری متروک
اور مؤلف کا ذوق آ۔ لا۔ دونون کو پسند
کرتا ہے۔ (سودا سہ) کون ایسا اب کہے یہہ
سودا گلی مین اسکی ٭ لا مجھکو لے چلین ہم دل
کھول کرکے رو لے ٭

لاش | کمال لکھنوی فرماتے ہین اس لفظ
کو فارسی تصور کرنا غلطی ہے۔ لاشہ صحیح ہے
لاش ہندی ہے جس کو ترکیب فارسی
استعمال نہ کرنا چاہئے۔ ضیاے دہلوی کو
اختلاف ہے آپ اس کو فارسی خیال کرتے
ہین۔ اور لاشہ کو اس کا مزید علیہ (قاآنی سہ)
چہ یار خصم ملک و دین کہ کرد ساز رزم و کین ٭
کہ ساختی بہر زمین ز لاش شان مزار ہا ٭

(صباحی سے) این همی کند بچشم عدو چو سے
خون آن وان چہ وین لاش او بخاک برابر بزرنگاہ
مؤلف لغت عرض کرتا ہے کہ لاش تن مردہ کے
معنوں میں زبان ترکی کا لفظ ہے (دیکھو لغات
ترکی) صاحب غیاث نے بھی یہی لکھا ہے صاحب
برہان نے اس کو زبان فارسی کا لغت اور
معنوں میں کہا ہے البتہ لاشہ کو بمعنی (مردہ
جمیع حیوانات) فرمایا ہے۔ صاحب فرہنگ
انجمن آرائے ناصری برہان کا ہمزبان اور
صاحب فرہنگ جہانگیری نے دونوں لغت کا
ذکر کیا ہے اور تن مردہ کے معنوں سے
ساکت۔ صاحب برہان جامع صرف لاش کا
ذکر اور معنوں میں کیا ہے۔ صاحب لغات
سروری نے لاش کو اور معنوں میں لکھکر
لاشہ کو تن کے معنوں میں فرمایا ہے۔ خان
آرزو نے سراج اللغات میں لاش بمعنی
غیر مقصود لکھکر لاشہ پر بقول طوسی فرمایا کہ
کہ حیوانات مردہ پر اطلاق ہو سکتا ہے۔ نتیجہ
اس ساری تحقیق کا یہ ہے کہ لاش تن مردہ
کے معنوں میں ترکی ہے اور لاشہ بزیادت ہای
ہوز انہیں معنوں میں منحصر لیکن فارسیوں
نے لغت ترکی لاش کا بھی استعمال اپنے کلام
میں کیا ہے جسکی سندیں ضیا نے پیش کی
ہیں جو اوپر منقول ہیں۔ محقق دہلوی یعنی
صاحب فرہنگ آصفیہ نے بھی ان معنوں
میں لاش کو ترکی اور لاشہ کو فارسی کہا
ہے۔ پس لاش ترکی ہے اور فارسیوں
کا مستعمل جس کا استعمال اردو میں بہ ترکیب
فارسی باضافت ہو سکتا ہے۔ کمال لکھنوی
نے غلطی کی جو اس کو ہندی سمجھا۔ اور ضیائے
دہلوی کی غلطی ہے جو اس کو ان معنوں میں
فارسی خیال فرمایا۔

لال | بقول کمال لکھنوی جوہر سرخ رنگ
یعنی لعل کے معنوں میں فارسی نہیں ہے
بلکہ ہندی ہے۔ ضیائے دہلوی فرماتے ہیں
کہ صاحب فرہنگ انجمن آرائے ناصری نے
لال پر فرمایا ہے کہ جوہریست گرانبہا پر رنگ
آن سرخ باشد و بہترین اجناس آن از کوہ

بدخشان حاصل شود و معرب آن لعل است۔ مؤلف عرض کرتا ہے کہ کمال کے ساتھ اس وہو سکے ہین جلال لکھنوی (استاد ضیاے دہلوی) بھی شریک ہین جنہون نے (سرمایہ زبان اردو) مین لال کو لغت ہندی سمجھا ہے۔ آپ فرماتے ہین جوہر سرخ رنگ ہے جس کو فارسی اور ... مین ... کے ساتھ لعل کہتے ہین۔ محقق دہلوی (صاحب فرہنگ آصفیہ) نے اس لفظ کو فارسی بھی مانا ہے اور اردو اور ہندی بھی لکھا اور فارسی معنون کے ذیل مین یاقوت رمانی کا ذکر کیا ہے۔ صاحبان غیاث و برہان قاطع و برہان جامع و سراج و لغات سروری کو بھی فرہنگ ناصری سے اتفاق ہے۔ پس کمال کا تسامح پیروی جلال ہے۔

لائیو | قرار شاہجہان پوری فرماتے ہین کہ اب یہ متروک ہے اور لانا مستعمل۔ مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ استادان معاصر کے کلام مین اس کا استعمال ہے۔ لیکن ہمارا ذوق اس کے استعمال کو نہین پسند کرتا (انیس سے)

دروازے پہ جا جا کے خبر لائیو بیٹا ٭

شہزادے کو تم کھیل مین بہلائیو بیٹا ٭

لون | عشرت لکھنوی اور قرار شاہجہان پوری فرماتے ہین کہ اب اس کے عوض نمک کا استعمال ہے۔ مؤلف عرض کرتا ہے نمک فارسی زبان کا لفظ ہے اور یہ اس کا ہندی ترجمہ۔ استادان سلف کے کلام مین اگرچہ اس کا استعمال ہے۔ لیکن ہمارا ذوق نمک ہی کے استعمال کو پسند کرتا ہے (غالب سے) زخم دل پر میرے کیون مرہم کا استعمال ہے ٭ مشک اگر مہنگا ہے تو کیا لون کا بھی کال ہے ٭

لوہو | قرار شاہجہان پوری فرماتے ہین کہ اب یہ متروک ہے اور لہو مستعمل ہے۔ صاحب آصفیہ نے اس کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے یہی اصل ہے اور لہو اس کا مخفف۔ مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ متقدمین کے کلام مین اس کا استعمال ہے۔ لیکن ہمارا ذوق اس

اُنہو کے استعمال کو پسند کرتا ہے (انشا سے) کیسی
تم کرو غیروں سے بہم اور اپنے ، گھونٹ لہو
کے پیئے کیوں نہ غٹا غٹ عاشق ،

لیک قرار شاہ جہان پوری فرماتے ہیں
کہ اب اس کا استعمال نہیں ہے اور اس کے
عوض لیکن کا استعمال ہے مؤلف عرض
کرتا ہے اگرچہ استادان سلف نے اس کا
استعمال کیا ہے اور دونوں زبان فارسی کے
الفاظ ہیں۔ لیکن ہمارا ذوق ذاتی بھی لیکن
ہی کو پسند کرتا ہے (میر سے) جامۂ احرام زاہد
پر نہ جا ، تھا حرم میں لیک نامحرم رہا۔

میم

مارے عشرت لکھنوی فرماتے ہیں اب
اس کا استعمال بمعنی (سبب سے) متروک ہے۔
فصحا استعمال نہیں کرتے صاحب فرہنگ آصفیہ
اور جلال نے (سرمایۂ زبان اردو) میں اس کا
ذکر کیا ہے۔ اور کوئی اشارہ غیر فصاحت یا ترک
کا نہیں کیا۔ استادان معاصر بھی اس کے
استعمال کو پسند کرتے ہیں۔ اور ہمارے ذوق
ذاتی کے بھی موافق ہے۔ (آتش سے) رشک
کے مارے زمرد خاک میں مل جائے گا ، سبزہ
پر اس گوش کے فیروزہ ہیرا کھائے گا ، (دلیر
سے) مرتے ہیں رشک کے مارے پس دیوار
رقیب ، شور کرتا ہے جو پا زیب کا وا شب
وصل ، (ناسخ سے) نہ چین آئے گا مجکو قبر
میں بھی ہول کے مارے ، سنا ہے خلق ہوگی
حشر میں یاروگر پیدا ، (ارشد سے) جاری ہو
جسم سے پسینہ ، جلتا ہے تپش کے مارے
سینہ ، (شوق سے) ڈر سے تری کاکل کے
نہیں چلتے ہیں رستے ، وہ رم بنا ہے اس
سانپ کے مارے کئی دن سے ، (غضنفر
سے) دن کو فرصت نہیں تو آئیگی پیارے شب
کو ، ہم تو آ سکتے نہیں غیر کے مارے شب کو ،

مارے ہے قرار شاہ جہان پوری فرماتے
ہیں اس کا استعمال اب متروک اور مارتا ہے
مستعمل ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ
استادان سلف کے کلام میں اس کا استعمال
ہے۔ لیکن ہمارا ذوق ذاتی اس کے خلاف

ہے (سوداؔ) تجھ نگاہ کرم کی حسرت سے دل
مارے ہے جوش پر اندن دیکھوں ہوں
میں جیسے شمع پروانے میں دہوم ۔

مانگے ہیں عشرتؔ لکھنوی و قرار شاہ
جہان پوری فرماتے ہیں اب یہ متروک ہے
مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ استادان سلف
کے کلام میں اس کا استعمال ہے لیکن ہمارا
ذوق مانگتے ہیں کو بہتر خیال کرتا ہے (غالبؔ
) چھوڑ کر جانا تن مجروح عاشق حیف ہے
دل طلب کرتا ہے زخم اور مانگے ہیں اعضا نمک ۔

مانیاں قرار شاہ جہان پوری فرماتے ہیں اب
اس کی جگہ (مانیں) ہے مؤلف عرض کرتا ہے
کہ استادان سلف کے کلام میں اگرچہ اس کا استعمال
ہے لیکن ہمارا ذوق ذاتی اس کے استعمال
کو نہیں پسند کرتا (زندؔ) منتیں مانیاں رگ گلو پہ
میں چھلے باندھے ۔ پہ میسر نہ ہوا ساتھ مثل ناتیرا

مانیو قرار شاہ جہان پوری فرماتے ہیں اب
اس کے عوض ماننا مستعمل ہے مؤلف عرض
کرتا ہے کہ اگرچہ استادان سلف کے کلام میں
اس کا استعمال ہے لیکن ہمارا ذاتی ذوق
اس کے خلاف ہے (سوداؔ) سودا کبھی
نہ مانیو واعظ کی گفتگو تو آوارہ دل سے خوش
آئندہ دور کا ۔

مت قرار شاہ جہان پوری اور عشرتؔ
لکھنوی فرماتے ہیں اب اس کا استعمال بمعنی
نہ متروک ہے۔ جلالؔ لکھنوی نے (سرمایۂ
زبان اردو) میں فرمایا ہے فصحائے متاخرین
نے اس لفظ کا بولنا ترک کر دیا ہے۔ محقق
دہلوی (صاحب فرہنگ آصفیہ) نے کوئی
اشارہ ترک یا غیر فصاحت کا نہیں کیا مؤلف
عرض کرتا ہے۔ ہمارا ذوق ذاتی اس کے
خلاف ہے۔ اور بعض شعرائے معاصر کا بھی
یہی خیال ہے گو استادوں کے کلام میں
اس کا استعمال ہے (مومنؔ) جانے
دے چارہ گر شب ہجران میں مت بلا وہ کیوں
شریک ہو مرے حال تباہ کا ۔ (میرؔ)
میری تغییر حال پر مت جا ۔ اتفاقات ہیں
زمانے کے ۔

چھپا لیجو — عشرت لکھنوی اور قرار شاہجہان پوری فرماتے ہیں کہ اب یہ متروک ہے اور اس کے عوض چھپانا اور چھپا لینا مستعمل ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ استادان سلف کے کلام میں اس کا استعمال ہے لیکن ہمارا ذاتی ذوق اس کے موافق نہیں ہے (ناسخ سے)

شب فرقت میں چھپا لیجو غل میری طرح نالے
مؤذن تم شب وصل ہمارا خاموش ہو

محرم — کمال لکھنوی فرماتے ہیں اس کے معنے رازداں ہیں عورتوں کی انگیا کی کٹوری کے معنون میں ہندی سمجھنا چاہئے۔ اور یہ ترکیب فارسی استعمال نہ ہونا چاہئے۔ ضیا سے دہلوی نے صرف اس ارشاد پر قناعت کی ہے کہ یہ بہ ترکیب فارسی فارسی میں مستعمل ہے (آتش سے) کسی کی محرم آب رواں کی یاد آئی حباب کے جو برابر کبھی حباب آیا مؤلف عرض کرتا ہے کہ یہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ بمعنی وہ شخص جس کے ساتھ نکاح کرنا درست نہ ہو بے شک فارسیوں نے اس کو ان معنون میں نہیں استعمال کیا جن معنون میں اردو کا استعمال ہے بلکہ فارسی میں رازدار کے معنون میں مستعمل ہے۔ صاحب فرہنگ آصفیہ نے بمعنی (انگیا کی کٹوری) اسکو اردو کہا ہے۔ اور ہمارے موضوع کے لحاظ سے جس کی صراحت (حیوۃ العزیز) کے گیارہویں باب میں ہوئی ہے یہ بے شک ہندی ہے اور ہندی کا استعمال بہ ترکیب فارسی بے شک ہو سکتا ہے جس کی کامل بحث ہم نے اسی مقام پر کی ہے اور مثالوں کے ساتھ آتش کا استعمال بالا بھی اسی کی مثال ہے۔ اس مثال میں یہ تازہ لطف ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ دونوں ہندی ہیں جناب امیر نے (آب رواں) پر بہ ذیل کلام آتش یہ فرمایا ہے کہ وجدان سلیم اسم ہونے کے سبب سے اضافت نہ ہونے کو ترجیح دیتا ہے مگر استعمال اضافت کے ساتھ ہے مؤلف حقیر عرض کرتا ہے کہ اس مرکب اضافی میں اگر دو ہندی کی باہمی ترکیب بنا شدہ فارسی جائز قرار نہ دیں تو

لازم آئے گا کہ ترکیب اضافی بھی اردو مین مثل فارسی کے جائز قرار دین جیسے کہ (اضافت بدل) اردو کی تخصیص ہے جس کا ذکر ہم پہلے حیوة العزیز کے گیارہوین باب مین کیا ہے جیسے (استاد داغ) (شاہ آصف) لیکن ہم اس کی ضرورت اس لئے نہین پاتے کہ ہماری رائے مین الفاظ ہندی کی اضافت جائز ہی اور بعض استادان معاصر کو بھی ہم سے اتفاق ہے۔ اور استادان سلف نے بھی اپنے کلام مین ایسی اضافت کا استعمال کیا ہے۔ محقق دہلوی کا تسامح ہے کہ تخم کو اردو کہا۔ اور کمال کی غلطی ہے کہ تشبیہ کو تسلیم کرنے کے بعد بھی اس کی ترکیب اضافی کو غلط سمجھا اور ضیا نے اخلاقی قوت سے کام نہین لیا جو واضح لفظون مین اس اضافت کے عام جواز کا اعتراف نہین فرمایا۔

محبوبیت دیکھو حیثیت جس پر اس کا بیان ہے

مخمور کمال لکھنوی فرماتے ہین بمعنی مست وبیہوش غلط اور بمعنی صاحب خمار صحیح ہے ضیاے دہلوی فرماتے ہین کہ جلال (شاگرد کمال) (استاد ضیا) نے (تنقیح اللغات) مین لکھا ہے کہ اگرچہ لغات معتبرہ مین کہین بمعنی مست وبیہوش نہین پایا جاتا۔ لیکن شعراے فارس نے ان معنون مین استعمال کیا ہے (سعدی ؎) گنہگار و خودرائے وشہوت پرست ٭ بغفلت شب و روز مخمور و مست ٭ (نظامی ؎) اگر ہشیار وگر مخمور باشی ٭ چنان زی کز تعرض دور باشی ٭ ضیا نے چند اور استادان فارسی کے کلام سے بھی سند دی ہے (حافظ ؎) از فریب نرگس مخمور و چشم مے پرست ٭ حافظ خلوت نشین را در شراب انداختی ٭ (صائب ؎) نرگس چشم مخمورش مست ناتوانی ہاست ٭ سرمہ با نگاہ او گرم ہمزبانی ہاست ٭ اور پھر آپ نے استعمال شعراے اردو کی سند پیش کی ہے (جلال ؎) گلگشت مین سمجھے اسے آنکھ یار کی ٭ بوسے چمن مین نرگس مخمور کے لئے ٭ مؤلف عرض

کرتا ہے کہ عربی میں خَمر بالفتح بمعنی شراب انگوری
یا مطلق شراب مسکر اور شراب پلانے کے معنوں
میں مصدر متعدی ہے (دیکھو منتہی الارب)
و (محیط المحیط) پھر مخمور کے عربی معنے (شراب
پلایا ہوا یعنی مست) ہوئے میں کیا تامل اور
ضرورت ہی کیا ہے کہ تقدیس کا بار فارسیوں
کی گردن پر رکھا جائے پس کیوں نہ کہا جائے
کہ صاحبزادے اور قبلہ گاہ اور شاگرد تینوں
نے عربی میں اسکی حقیقت کی تلاش ہی نہیں
کی واضح ہو کہ محقق دہلوی یعنی صاحب فرہنگ
آصفیہ نے بھی مخمور بمعنی مست مستعملا عربی
کہا ہے - اگر شعرائے عرب نے اس لفظ کو
لغوی معنوں میں استعمال نہ کیا ہو - اور
فارسیوں اور اردو والوں نے کیا ہو تو ہم
اسکو مقدس یا ہندی نہیں کہہ سکتے بلکہ عربی ہی کہینگے

مر لینا | عشرت لکھنوی فرماتے ہیں یعنی مرجانا
غیر فصیح و قابل ترک ہے - اور مؤلف
عرض کرتا ہے کہ استادان سلف اور فصحائے
معاصر کے کلام میں اس کا استعمال ہے اور
ہمارا ذوق ذاتی اس کے استعمال کو پسند کرتا
ہے (امیر ؎) نہ توڑ شام سے اے دل شب
فراق میں دم ؛ ابھی تو رات ہی ساری پڑی ہے مر لینا ؛

مری طرح سے | قرار شاہجہان پوری
فرماتے ہیں کہ اب یہ غیر مستعمل ہے اس کی
جگہ صرف (مری طرح) مستعمل ہے مؤلف
عرض کرتا ہے کہ استادان سلف کے کلام
میں اس کا استعمال ہے - اور بعض استادان
معاصر بھی اس کے استعمال کو پسند فرماتے
ہیں ہمارا ذوق ذاتی بھی اس کے موافق
ہے (ذوق ؎) ہر ایک شعر میں مضمون
گریہ ہے میرے ؛ مری طرح سے کوئی
ذوق شعر تر تو کہے ؛

مستانہ | کمال لکھنوی فرماتے ہیں کہ یہ
بمعنی مست غلط ہے - ضیائے دہلوی فرماتے
ہیں کہ اساتذہ ہند کے کلام میں مستانہ بمعنی
مست بھی مستعمل ہے (سحر لکھنوی ؎) او غیرت
خیر بہرے ہی ہی مستانۂ عشق ؛ تم کو کوثر ہو
مبارک ہمیں پیمانۂ عشق ؛ (والہ ؎) ہیج

سرِ خواب محبت سے پر و بال ملک ٭ عرض کو شہ
پہ پکڑے رہتے ہیں مستانۂ عشق ٭ صاحبِ بہار
عجم نے کہا ہے چیزے کہ حرکات و سکنات آن
بطورِ مستان باشد چون لغزشِ مستانہ و جلوۂ مستانہ
دیگر یہ مستانہ۔ فارسی میں اس کا استعمال اسی
حد تک ہے۔ صاحب فرہنگ آصفیہ نے بذکر
معنی بالا فرمایا ہے کہ اردو میں اس شخص کو
بھی مستانہ کہتے ہیں جس میں لغزش و رفتار
مستانہ پائی جائے (ہ) ارے ستمگر سنبھل
بیٹھو ذرا ہشیار ہو جاؤ ٭ اڑاتا خاک سر پر
جھومتا مستانہ آتا ہے ٭ مؤلف عرض کرتا ہے
اگرچہ فارسی میں مستانہ بمعنی مثل مست
مستعمل ہے لیکن اردو والوں نے اس کو
مثل دیوانہ بمعنی مست استعمال کیا ہے۔ گو فارسی
میں اس کا استعمال مثل اردو کے ہماری نظر
سے نہیں گزرا لیکن بقاعدۂ فارسی غلط نہیں
ہے اور ہم اس لفظ کو فارسی ہی کہیں گے
اور کبھی ہندی نہ کہیں گے۔ اگر ہم فارسی میں
بھی انھیں معنوں میں استعمال کریں تو بھی
غلط نہیں ہو سکتا۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ باوجود
سکوتِ اہلِ لغت۔ قدمائے فرس کے کلام میں
اس کا استعمال ضرور ہوگا۔ ہماری قلتِ تلاش
کا قصور ہے جو ہم نے نہیں پایا۔

مضطر | آنکال لکھنوی فرماتے ہیں کہ بمعنی
بے قرار غلط ہے۔ اور بمعنی عاجز صحیح۔ ضیا
دہلوی فرماتے ہیں کہ اگرچہ مضطر بمعنی عاجز و
بیچارہ ہے لیکن بے اختیار اور ضرر رسیدہ
کے معنی بھی لغت سے مستفاد ہیں۔ اور
ضرر رسیدہ اور بے اختیار کا بیتاب و بے
قرار ہونا ضرور ہے۔ پس ان معنوں میں
مجاز تصور کرنا چاہیئے (حضوری قمی ہ)
بے قرار است بسکہ عاشق بے تو در فرقت
بہر سو ٭ بالرزش آید و سے برق مضطر
ریختہ ٭ (امیدی ہ) مضطربم جان
ز بیم دام تو چون مرغ نوگرفتۂ صیاد در
قفس ٭ اور آپ ہی کے کلام ذوق سے
اردو استعمال کی بھی سند ملتی ہے (ہ)
ابر تر آنسو بہاتا کوئی ہم سے سیکھ جائے ٭

ہین رونا فعل لازم اور فعل لازم کے ساتھ
(سے) نہین لاتے پس یہ غیر فصیح ہے اور
اسی طرح (ہین سے ہنس دیا) ناجائز
(مقدر رو دیا) کہنا چاہئے۔ اور یہی فصیح
ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ (رونا) بے
شک لازم ہے لیکن (دینا متعدی)۔ قدما
اور معاصرین باریک بین نے (رو دینا)
کو بلحاظ (دینا) متعدی قرار دیا اور ہمارا
ذوق بھی اسی کو پسند کرتا ہے (داغ ؎)
محبت نے کی جب مری دستگیری ؛ مقدر
نے رو رو دیا ہاتھ ملکر ؛ (دیکھو اس سے
ہنس دیا) استاد مومن نے (ہنس دینا)
کو اسی قیاس پر متعدی قرار دیا ہے۔

مقنع عشرت لکھنوی فرماتے ہین اسکو
بہ تشدید نون مقنّع باندہنا چاہئے اور بتخفیف
مقنع غیر صحیح ہے مؤلف عرض کرتا ہے
کہ یہ ایک حکیم کا نام اور زبان عرب کا لفظ
ہے۔ فارسیون نے ماہ نخشب کو (ماہ
مقنّع) بہ تشدید نون کہا ہے اور اردو
ہین ناسخ نے بہ تخفیف نون (ماہ مقنع)
اسکا استعمال کیا ہے اور خود عربون نے ضرورت
شعر پر مشدد کو تخفیف کے ساتھ اور
اس کے بالعکس بھی استعمال کیا ہے۔
جار اللہ زمخشری فرماتے ہین (؎)
ضرورۃ الشعر عشر عدّ جملتہا ؛ وصل وقطع
وتخفیف وتشدید ؛ مد وقصر وتحریک و
اسکان ؛ ومنع صرف وصرف ثم تعدید
پھر ناسخ نے کیا برا کیا کہ اردو مین (ماہ مقنع)
بدون تشدید باندہا اور سچ یہ ہے اردو مین
ہمارا ذوق بھی ناسخ کے موافق ہے لیکن
واضح ہو کہ ایسا تصرف جس سے ایک عربی
لفظ مشدد ہوجاتا ہو استادون ہی کا کام
ہے جن کی سند پر ہم اس لفظ متصرفہ کا
استعمال کرسکتے ہین لیکن کبھی یہ نہین ہو
سکتا کہ ہم کسی اور لفظ مین بھی اس قسم کا تصرف
کرین اور زمخشری کے شعر سے مدولین جیسا
کہ ضیا کا قول ہے۔ اور آپنے متعدد
الفاظ کی بحث مین تردید کمال مین کہا ہے

(سـ) غرور اوج بہ دلدہ عبث ہے تجھ کو اے سفل
چین مثل ماہ گردون ہون تو مثل ماہ مقنع ہے ہو

مقیش کمال لکھنوی فرماتے ہین کہ یہ لغت
بضم میم و قاف مشدد مفتوح و سکون تحتانی
جس طرح عرف مین بولا جاتا ہے ہندی ہے
اس کو بضم میم و فتح قاف و تحتانی مشدد مفتوح
پڑھکر عربی و فارسی تصور کرنا غلط ہے۔ ضیائی
دہلوی فرماتے ہین کہ بقول صاحب غیاث اللغات
مقیش بروزن مشوش بمعنی قاش قاش
شدہ معرب کردۂ فارسیان ہے پس اردو
مین کثرت استعمال کے سبب اسے ہند ٹھرا
لیجئے ورنہ صاحب غیاث کے قول کو نہ مانئے
مؤلف عرض کرتا ہے کہ لغات عرب مین تو
اس کا پتا نہین۔ صاحب بہار عجم فرماتے
ہین بروزن مشوش تار زر و نقرہ کہ آنرا پہن
کردہ و کشیدہ کہ نوعی از دوخت است بکار
برند و سازندۂ آنرا مقیش گر خوانند (طغرا
سـ) طلا دوز پیراہن شوخ ل ہ مقیش
گر رشت زر تار گل ہ صاحب غیاث اللغات
نے فرمایا ہے صیغۂ اسم مفعول است از باب
تفعیل ماخوذ از قیش چون لفظ قیش در قاموس
و صراح و منتخب یافتہ نشد ظاہر اعربی نیست و
فارسی ہم نباشد غالباً معرب کیش باشد کہ لفظ
ہندیست بمعنی موے سر و تعریب از لفظ ہندی
بسیار آمدہ چنانکہ قرنفل معرب کرن پھل و
اطریفل معرب تری پھل ہین ماده قیش را در
باب تفعیل بردہ اسم مفعول ازان مقیش بروزن
مشوش برآوردہ اند پس آنچہ مقیش بہ تشدید
قاف در ہند شہرت دارد درست نباشد (الخ)
محققین ترکی اعنی (صاحبان کنز اللغات و
لغات ترکی) اس سے ساکت ہین لیکن (دلیل
ساطع) کے جو محقق سنسکرت ہین بہ تشدید
قاف اس کو ترکی کہا ہے بمعنی تار طلا و نقرہ
و کلابتون۔ صاحب نفائس اللغات فرماتے
ہین کہ بضم اول و دوم مشدد و مفتوح تار زر
و نقرہ کہ پہن کردہ و کشیدہ کہ نوعی از دوخت
است فارسیان آنرا بروزن مشوش گویند
و سازندہ آنرا مقیش گر (موسوی خان سـ)

چو گیرد از حیا بر رخ نگار شمع رخسارش ۔ کند
پیراہن فانوس رو پاک مقیش را ۔ محققین
اردو سے جلال لکھنوی نے (سرمایۂ زبان
اردو) میں اس کا ذکر کیا ہے اور بہ تشدید
قاف ناسخ کے کلام سے استناد فرمایا ہے
(۔) چاہیئے مقیش اس مہ رو کی چوٹی
کے لئے ۔ چرخ گردان پر اسے خورشید
زرین تار کھینچ ۔ صاحب فرہنگ آصفیہ نے
اس کو بہ تشدید قاف (اردو) کہا ہے اور
مومن ۔ ناسخ ۔ نظیر ۔ میر حسن کی سند دیتے ہوئے
فرمایا ہے کہ اس لفظ کی اصل میں فرہنگ
نویسوں نے بڑی بڑی رائیں لگائی ہیں بعض
نے آنکھیں بند کر کے عربی لکھ دیا اور جو اس
کا مادہ قرار دیا وہ بالکل عربی معانی کے مخالف
بعض ترکی لکھ گئے ۔ جونسن جیسے محقق نے
بھی اسے عربی لکھ کر دھوکا کھایا ہے ۔ اور
اس کی وجہ بڑی یہ ہے کہ بعض فارس کے
شعرا نے اہل ہند کا تتبع کر کے اسے بہ تغیر
حرکات مقیش بہ تشدید یا باندھا ہے حقیقت میں یہ
ہندی ہے اور اردو دانوں نے فصاحت کلام کے
خیال سے کاف کو قاف سے بدل لیا اور ایسا
فارسی زبان میں بھی پایا جاتا ہے جیسے
(کلاکند) کو (قلاقند) اور (کلابازی) کو
(قلابازی) بنالیا بہر حال اس کے
ہندی اور لفظ کیش سے مرکب ہونے میں
کچھ شبہ نہیں محقق دہلوی کی ذاتی رائے
یہ ہے کہ ناگشک زبان سنسکرت میں دھاتی
چیز کو کہتے ہیں روپ ناگشک ۔ سورن ناگشک
روپہلی ۔ سنہری دھات کے معنوں میں ہے
پس روپ اور سورن حذف ہو کر ناگشک
رہ گیا پھر آخری کاف گر کر ناگش ہوا اور رفتہ
رفتہ نکش ہوا اور پھر نکیش اور نکیش سے
مقیش (الخ) مؤلف عرض کرتا ہے کہ لغات
عربی کا سکوت اس لئے ہے کہ ان کا لفظ
ہی نہیں ہے ۔ اور محاورۂ حال میں بھی یہ
متروک ہے فارسیوں کے محققین الزبان
کا سکوت اس لئے ہے کہ اس کا وجود عجم میں
قدیم نہیں ہے لیکن معاصرین عجم کہتے ہیں

کہ آج کل عورتوں کی پوشاک مین اسکا استعمال
ہے مظفر اور مصطفیٰ خان نے اس کا استعمال
غالباً زبان اردو ہی سے اخذ کرکے کیا ہے
اور اسرار بے مین تصرف حقیقت مانند کی بخیہ
ہے ہماری راے مین بھی یہ اردو ہی
کا لفظ ہے جس کو فارسیون نے متفرس کرلیا
ہے ۔ اور کمال لکھنوی کی ہدایت کو ہم صحیح
مانتے ہین ۔ اور محقق دہلوی کی راے کا
ماحصل بھی یہی ہے ۔ ضیا ۔ آسی دہلوی نے
قول کمال لکھنوی کی مخالفت غالباً اس لیئے
فرمائی اور تصحیح کی ضرورت خیال کی کہ آپ
نے صرف غیاث کا اعتبار کیا ۔ اور مزید دردسری
گوارا نہین فرمایا ۔

منت کمال لکھنوی فرماتے ہین یہ لفظ
احسان و نکوئی کردن کے معنوں مین ہے
اس لفظ کو بمعنی خوشامد و عجز و انکسار عربی
فارسی خیال کرنا غلط ہے بلکہ ہمیشہ جاننا
چاہیئے ۔ ضیا ۔ دہلوی فرماتے ہین کہ عربی
و فارسی مین نیکی کرکے احسان جتانے کے
معنے مین بھی آیا ہے ۔ اور قاموس مین معنی
احسان کرنا ۔ احسان جتانا ۔ ضعیف کرنا ۔
قطع کرنا ۔ تھکانا ۔ اور نقصان لکھا ہے ۔
اور عجز و انکسار اور التجا و خوشامد کے معنوں
مین فارسیون کا استعمال ہے ۔ (وصال
شیرازی ع) در ان رضوان بمنت گشتہ مزدور
(ملا محمد باقر فنائی س) ما و من لطف کن
از خانہ برون آسے دمے * کہ بجان آمدم از
منت دربانے چند * (روحانی س) من
بمنت در قفایش او ز من چابک روان *
میرود دامن کشان چندانکہ منت می کنم *
مؤلف عرض کرتا ہے منت بقول منتہی
الارب عربی مین بمعنی احسان و نیکوئی و
آنچہ کردہ شود از نیکوئی در حق کسے اور
بقول محیط المحیط بمعنی احسان جتانا اور
بقول صراح نعمت دادن و بیان کردن
نیکی خویش بر کسے اور قاموس مین وہی
سب معنے ہین جن کا ذکر ضیا نے فرمایا ہے
محققین فارسی سے صاحب بہار عجم نے

ممنون شدن و ممنون کردن پر فصاحت کی بحث محقق دہلوی اعنی صاحب فرہنگ آصفیہ نے عربی ممنون کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ فارسی میں بمعنی عاجزی۔ تضرع۔ خوشامد چاپلوسی۔ آیا ہے اور فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں کی یہ راے ہے کہ فارسی تصانیف میں یہ معنے نہیں پائے جاتے۔ مگر امیر خسرو کا یہ شعر ہمیں یہ بات تسلیم کرنے نہیں دیتا (شعر) بیچارہ خسرو خستہ را چون ممنونت رہیا فرمودہ است ؛ خلقے بتنت بگرفت آن شوخ تنہا یکطرف ؛ کمال کو غالباً فارسیوں میں اس کا استعمال نہیں ملا اسی لئے آپ نے اس کو ہندی کہا ہے۔ ضیا سے ہم کو اتفاق ہے۔ فیصلہ یہ ہے کہ اسکو مفرس کہنا چاہئے

مُندگئیں بقول عشرت لکھنوی و قرار شاہجہانپوری اب اس کا استعمال بمعنی (بند ہوگئیں) متروک ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ غالب کے کلام میں یہ انھیں معنوں میں ہے اور صاحب فرہنگ آصفیہ نے اس کا ذکر بلا اشارۂ ترک یا غیر فصاحت کیا ہے۔ لیکن ہمارا ذوق ذاتی اس کے خلاف ہے اپنا اپنا ذوق (غالب شعر) مندگئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں ہے ہے خوب وقت آئے تم اس عاشق بیمار کے پاس ؛

منصب کمال لکھنوی فرماتے ہیں کہ بفتح صاد جہلا غلط اور بالکسر صحیح ہے۔ ضیا دہلوی فرماتے ہیں کہ یہ فارسیوں کا تصرف ہے (صائب شعر) نکنی در عہد احسان کو تہی گر منصبے داری ؛ کہ باشد یادوستی لنگر آرام منصب را ؛ (جلال اسیر شعر) نہ عزل و نصب بد و نیک تمناے دل است ؛ کہ گرد ن در عدم این شتق کہ منصب خواہی ؛ ان دونو غزلوں میں کوکب۔ مکتب کا قافیہ ہے صاحب غیاث اللغات نے لکھا ہے کہ یہ غلط عام ہے نہ غلط عوام اور شعراے عام نے لب اور غضب کے ساتھ قافیہ کیا ہے۔ محقق دہلوی اعنی صاحب فرہنگ

آصفیہ نے اس کو کسر صاد ہی سے قائم کیا ہے
اور غلط عام کا ذکر کیا ہے۔ **مؤلف** کی رائے
یہ ہے کہ اگرچہ اردو میں بلحاظ تفریس استعمال
ہوسکتا ہے لیکن ہمارا ذوق لفظ صحیح کے
استعمال کو پسند کرتا ہے۔

مُوا عشرت لکھنوی فرماتے ہیں یہ متروک
ہے اور مرگیا مستعمل **مؤلف** عرض کرتا ہے
کہ صاحب فرہنگ آصفیہ اور نیز جلال لکھنوی
(سرمایۂ زبان اردو) میں اس کا ذکر بلا اشارہ
ترک و غیر فصاحت کیا ہے۔ استادان سلف
و حال دونوں نے اس کو فصیح مانا ہے۔ اور
ہمارے ذوق کے موافق (مومن سے) ستم
کہا موے تو درد دل زار کم ہوا ٭ بارے کچھ
اس دوا سے تو آزار کم ہوا ٭ (امیر سے) موا کہ
زندہ رہا نامہ بر نہیں معلوم ٭ کچھ آج تک ہیں
اسکی خبر نہیں معلوم ٭ (مظہر جانجاناں سے)
لوگ کہتے ہیں موا مظہر بیکس افسوس ٭ کیا
ہوا اسکو وہ اتنا بھی تو بیمار نہ تھا ٭ (آتش
سے) نہ موا میں تو ہے قسمت کا قصور اسے
قاتل ٭ ہاتھ کمزور نہ تلوار تری بھاری ہے ٭

موسم کمال لکھنوی فرماتے ہیں بفتح ثالث
بمعنی فصل غلط ہے۔ ان معنوں میں بکسر میں
مہملہ کہنا چاہیئے۔ ضیا سے دہلوی فرماتے
ہیں کہ فارسیوں نے بفتح سین بھی استعمال
کیا ہے اور اردو کے استادوں نے بھی
(عجب مازندرانی سے) نوروز خوش و بہار
خرم ٭ آمد ز بہشت عدن باہم ٭ یا ساقی
فاسقنی براح ٭ بر موجب اقتضا سے موسم ٭
(ذوق سے) بے یار روز عید محرم سے کم
نہیں ٭ جام شراب دیدۂ پرنم سے کم نہیں ٭
زیبا ہے روے زرد پہ کیا اشک لالہ گون
٭ اپنی خزاں بہار کے موسم سے کم نہیں ٭
(میر تقی سے) بغیر دل کہ یہ قیمت ہے سارے
عالم کی ٭ کسو سے کام نہیں رکھتی جنس آدم
کی ٭ قفس میں تیر نہیں جوش داغ سینے پر ٭
ہوس نکالی ہے ہم نے بھی گل کے موسم کی ٭
مؤلف عرض کرتا ہے کہ لغات فارسی نے
فتح سین کے ساتھ اس کے استعمال فرس

کی صراحت نہین کی صاحب غیاث اللغات نے صاف لکھا ہے۔ کہ اس کا استعمال فتح سین سے غلط ہے۔ لیکن اس وجہ سے کہ کلام فارسی مین ایسا استعمال بھی ہے۔ مقدس کہا جاسکتا ہے۔ محقق دہلوی صاحب فرہنگ آصفیہ نے کسر سین ہی سے لکھا ہے۔ اردو کے بعض استادون نے تقدس کی پیروی کی ہے ہمارا ذوق یہ ہے کہ بقول کمال لفظ صحیح کا استعمال ہی مناسب ہے۔ کوئی ایسی مجبوری نہین ہے کہ ہم لفظ صحیح کو چھوڑ کر لفظ غلط کو اپنے کلام مین جگہ دین۔

موے قرار شاہجہانپوری فرماتے ہین کہ اب یہ بمعنی مرے متروک ہے مولف عرض کرتا کہ ہم نے اس کی کامل بحث (مُوا) پر کی ہے ہم کو قرار سے اتفاق نہین۔

(امیر سہ) موے تو خاک موے اور جئے تو خاک جئے ؛ ابھی تلک تو نشان مزار باقی ہے

مجہد الفاظ کی ترکیب اضافی یہ ایک ایسی بحث عام ہے جس کی کافی صراحت ہم (جیوڑ العزیز) کے گیارہوین باب مین کر آئے ہین اور وہان ہمارا فیصلہ یہی ہے کہ کل مجہد الفاظ جن کی تعریف ہم نے وہین کی ہے بہ ترکیب فارسی استعمال کئے جاسکتے ہین اور کمال لکھنوی نے (دستور الشعرا) مین مجہدات کا استعمال بہ ترکیب فارسی ناجائز قرار دیا ہے اور ضیا دہلوی نے (تصحیح الدستور) مین کہین تو جائز کہا ہے اور کہین ناجائز۔ ہم کو یہ دو رنگی ناپسند ہے

میان عشرت لکھنوی اور قرار شاہجہان پوری فرماتے ہین کہ اب یہ بمعنی صاحب متروک ہے محقق دہلوی (صاحب فرہنگ آصفیہ) اور جلال لکھنوی نے (سرمایۂ زبان اردو) مین اس کا ذکر کیا ہے۔ اور کوئی اشارہ اس کے ترک یا غیر فصاحت کا نہین کیا۔ استادان معاصر بھی اس کے استعمال کو پسند کرتے ہین اور ان کے کلام مین مستعمل ہے

(آتش سہ) دہن مین آپ کے البتہ مجھ کو

محبت ہے ؎ گھر کا بھید جو پوچھو میاں نہیں معلوم
مؤلف عرض کرتا ہے کہ ہمارے ذوق
کے موافق ہے (امیر ۵) مجھ کو گلیوں
میں جو دیکھا چھیڑ کر کہنے لگے ؎ کیوں میاں
کیا ڈھونڈتے پھرتے ہو کیا جاتا رہا ؎

میت | کمال لکھنوی فرماتے ہیں یعنی
مردہ بفتح یاے مشدّدہ غلط۔ اور بکسر
مشدّدہ صحیح ہے۔ تربت اور رفعت کے
ساتھ قافیہ نہ کرنا چاہئے۔ ضیاے دہلوی
نے ذیل تصحیح فرمایا ہے بے شک بکسر
دوم صحیح ہے۔ مگر بعض فارسی لغات
میں لکھا ہے کہ بفتح دوم فارسیوں کا
تصرف ہے مؤلف عرض کرتا ہے لغات
فارسی سے صاحبان بہار عجم۔ برہان
قاطع۔ برہان جامع۔ فرہنگ ناصری و
رشیدی و سروری و جہانگیری و سراج
اللغات نے اپنے موضوع کے لحاظ سے
اس کا ذکر ہی نہیں کیا۔ صاحبان غیاث
اللغات و آنندراج نے ذکر کیا ہے اور
فتح سوم کا اعراب یا اس کے استعمال سے ساکت
ہیں اور کلام فرس میں ہم نے اس کا استعمال
بھی نہیں پایا۔ البتہ عربی ہی میں کبھی
اس کی تشدید کو حذف کر کے میت بفتح
میم و سکون یا کہتے ہیں۔ لیکن یہ ہماری
بحث سے خارج ہے۔ اردو میں محقق دہلوی
یعنی صاحب فرہنگ آصفیہ نے بھی اسکو
بکسر تحتانی مشدّد لکھا ہے۔ اور ذوق
کی سند کو بھی صراحت اعراب کسرہ کے
ساتھ نقل کیا ہے (۵) موت ہی سے
کچھ علاج دردِ فرقت ہو تو ہو ؎ غسل میت
ہی ہمارا غسل صحت ہو تو ہو ؎ آخر یہ آپ
ہی فرماتے ہیں کہ اردو والے بفتح یا
بولتے ہیں اور یہی فصیح ہے۔ ہماری
راے میں ضیا کی تصحیح۔ غلط ہے
اور کمال کا قول بالکل صحیح۔ اگر سلف
استادان اردو کے کلام میں
اس کا استعمال بفتح یاے مشدّد نظر
آئیگا تو ہم اسکو مستند خیال کریں گے۔

لیکن ہمارا ذوق ایسے استعمال کے خلاف ہے

میں استاد داغ نے اپنے دیوان (مہتاب داغ) کے خاتمہ میں فرمایا ہے کہ اس کا استعمال وہتی ہوئی یا کے ساتھ مجھ کو پسند نہیں جیسے (ع) میں کیوں دل لگاؤں میں کیوں غم اٹھاؤں ۔ بلکہ اظہار یا کے ساتھ پسند ہے جیسے (ع) ساقیا میں اگر دعا مانگوں ۔ لیکن تلامذہ کو اختیار ہے کہ چاہیں ترک کریں یا ذکر یں مؤلف عرض کرتا ہے کہ ہمارا ذوق ذاتی یہ ہے کہ دونوں طرح استعمال ہم کو پسند ہے۔

میں کہا تھا قرار شاہجہان پوری فرماتے ہیں کہ اس کا استعمال بیجا ہے (میں نے کہا تھا) اگرچہ سودا نے کیا ہے لیکن اب متروک ہے (ش) ظالم نہ میں کہا تھا کہ اس خون سے درگزر ۔ سودا کا قتل ہے یہ چھپایا نہ جائیگا۔ اور آپ ہی نے فرمایا ہے کہ

میں کیا ہوں بیجا ہے میں نے کیا ہے بھی اب متروک ہے اور سودا نے اس کا بھی استعمال کیا ہے (ش) دل کو میرے نہ جدا دل سے کر اپنے ظالم ۔ میں کیا ہوں یہ بہت خون جگر سے پیوند ۔ مؤلف عرض کرتا ہے کہ کلیات سودا مطبوعۂ نولکشور واقع کانپور میں پہلے شعر کا مصرع اول یوں ہے (ع) ظالم میں کہہ رہا کہ تو اس خون سے درگزر ۔ اور دوسرے شعر کا مصرع ثانی یہ ہے (ع) میں کیا ہے یہ بہت خون جگر سے پیوند ۔ الحاصل مؤلف کا ذوق ذاتی قرار شاہجہان پوری سے متفق ہے۔

میں نے خواب کیا عشرت لکھنوی فرماتے ہیں (خواب کرنا) خلاف محاورہ ہے (خواب آنا۔ سونا) بولتے ہیں لہذا قابل ترک اور احتیاط ہے (میں سویا۔ میں سو گیا) یا (مجھ کو خواب آگیا) بولنا چاہئے (میں نے خواب کیا) بالکل غیر فصیح اور آپ نے اس غیر فصیح استعمال کی مثال جناب امیر مینائی کے کلام سے دی ہے (ش) نماز پڑھ کے عشا کی جو میں نے خواب کیا ۔

تو پچھلی رات کو دیکھا کہ کوئی مثل سروش
مؤلف حقیر عرض کرتا ہے کہ معلومات
کی کمی نے عشرت لکھنوی کو کلام امیر مینائی کی
نسبت اعتراض پر آمادہ کیا۔ فارسی زبان
میں سونے کے لئے پانچ مصدر ہیں (۱)
خواب زدن (۲) خوابیدن (۳) خفتن (۴)
خفتیدن (۵) خواب کردن۔ محققین مصادر
فرس اور خصوصاً محققین ہند نژاد نے جن
کو غالباً محاورہ فارسی پر عبور نہ تھا ان پانچوں
مصادر کو بمعنی سونا لکھا ہے۔ ہمارے
استاد سخن (سنجر طہرانی مرحوم) کو خدا مغفرت
فرمائے جنہوں نے ہم کو ان مصادر کے
نازک فرق سے آگاہ فرمایا تھا۔

(۱) خواب زدن۔ اس کا اردو صحیح ترجمہ نیند
آنا ہے نہ سونا لیکن محققین مصادر فارسی نے
اس کو بمعنی خفتن لکھا ہے اور ہم سمجھ سکتے
ہیں کہ نیند آنا اور سونا میں کتنا بڑا فرق ہے
نیند آنا سونے کی رغبت پیدا ہوتا ہے نہ سونا
عشرت لکھنوی نے (خواب آنا اور سونا)
کو ایک سمجھا ہے۔ یہ وہی غلطی ہے جو فارسی دان
ہند نژاد نے خود فارسی میں کی ہے (خواب
آنا) یا نیند آنا خواب زدن کا ترجمہ ہے۔
نہ خفتن کا۔

(۲) خوابیدن بقول محققین مصادر بمعنی
بخواب شدن و خفتن اور بقول سنجر مغفور
ابھی ابھی سونا جس کا درجہ (خواب زدن
یعنی نیند آنا) کے بعد ہے فارسی میں البتہ اسکو
بخواب شدن کہہ سکتے ہیں۔ لیکن خفتن نہیں
کہہ سکتے۔ اس لئے کہ دونوں کا فرق
خفتن کی تعریف سے معلوم ہوگا۔ اور نیز
بقول سنجر طہرانی مغفور محاورہ فارسی میں
اس کے معنے خواب دیکھنے کے بھی ہیں۔
اس لئے کہ لفظ خواب میں (نیند اور عالم
رؤیا) دونوں شریک ہیں۔ پس خوابیدن
اس سونے کو کہیں گے جو گہری نیند کے
ساتھ نہ ہوا اور اسی حالت میں خواب
ہوا کرتے ہیں۔

(۳) خفتن بقول محققین مصادر فرس

بمعنی خوابیدن اور بقول سنجر مغفور گہری نیند
سے سونا جس مین خواب نہین ہوا کرتے ۔
اور یہ خوابیدن کے خلاف ہے جس کا ذکر نمبر (۲) پر ہوا
(۴) خفتن بقول محققین مصادر فارسی
بمعنی خوابیدن اور بقول سنجر طہرانی مغفور بمعنی
خفتن اور ہم اوپر بیان کر چکے ہین کہ خوابیدن
اور خفتن مین بڑا فرق ہے ۔
(۵) خواب کردن بقول محققین زبان
فارسی بمعنی خفتن اور بقول سنجر طہرانی
مغفور بمعنی خوابیدن (دیکھو خوابیدن)
اور بقول محققین مصادر نفیس نے اس کو
بمعنی خواب زدن و در خواب کردن) بھی کہا
ہے لیکن ان دونون معنون کی ضرورت ہم کو
اس موقع پر نہین ہے ۔ ہم ان پانچون
مصادر فارسی کے نازک فرق کو اپنی تالیف
(اصحت اللغات) کے ذریعہ سے فارسیون
اور فارسی دانون کو سمجھائین گے انشاء اللہ
المستعان ۔ اب اس قدر تحقیق کے بعد
ہم عرض کرتے ہین کہ (خواب کردن)

کے صحیح اور نازک معنون کا ترجمہ اردو مین
یا تو ابھی ابھی سونا ہے یا (آنکھ لگنا) یا
(خواب کرنا) دکن مین تو ابھی ابھی سونے
کو (آنکھ لگنا) کہتے ہین ۔ لیکن یہ زبان
نہین ہے اور (ابھی ابھی سونا) کا مقصد
جناب امیر کے ترجمہ (خواب کرنا) سے البتہ
حاصل ہو سکتا ہے اور اسی حالت مین خواب
ہوا کرتے ہین پس جناب ممدوح نے زبان
پر احسان کیا کہ فارسی کے لفظی ترجمہ سے
اس نزاکت معنے کے ساتھ اردو مین ایک
مصدر قائم کر دیا جس کی ضرورت زبان
کو تھی اور اسی کا نام اجتہاد ہے ۔ جن افراد
کو اجتہاد پسند نہین ہے وہ دشمن زبان
ہین اور فارسی محاورے کی نزاکت سے
واقف ہو کر اوس کا صحیح ترجمہ اپنی زبان
مین کرنا مقلدین کا کام نہین ہے بلکہ
مجتہدین زبان ہی سے یہ نازک کام
ہو سکتا ہے اب مسلمین زبان کی یہ
شان رہ گئی ہے کہ وہ ان نزاکتون کو سمجھتے

ہی نہین جو کچھ اکھڑا آتا ہے وہ غیر فصاحت کا اعتراض ہے۔ اسی قسم کی ایک بحث (بوکرنا) پر بھی گزری ہے۔ ہم کو جناب امیر مینائی کے اس بہترین استعمال کے ساتھ اتفاق ہے اور عشرت لکھنوی کے ارشاد کا افسوس۔

نون

ناپیدا عشرت لکھنوی اور قرار شاہ جہان پوری بالاتفاق فرماتے ہین کہ یہ غیر فصیح ہے۔ اور اس کے عوض (ناپید) مستعمل ہے محقق دہلوی (صاحب فرہنگ آصفیہ) نے ناپیدا اور ناپید دونون کا ذکر کیا ہے۔ ان دونون کے ملحقات مین ناپیدا کرنا۔ ناپیدا ہونا بھی اور کوئی اشارہ اس کے ترک یا غیر فصاحت کا نہین فرمایا استادان سلف اور حال کے کلام مین بھی اس کا استعمال ہے (داغ ؎) آفرینش سے مری کچھ اور تو مطلب نہ تھا پہ مدعا یہ تھا کہ پیدا کر سکے ناپیدا کرون پہ (داغ ؎) بوسہ مانگا جو دہن کا تو وہ کیا کہنے لگے پہ تو بھی ناشنیدہ دہن اب کہین ناپیدا ہو پہ اور استادان معاصر بھی اس کے استعمال کو پسند کرتے ہین اور مؤلف کا ذوق ذاتی بھی اس کے موافق ہے۔

ناخن جگر کھودنے لگا عشرت لکھنوی فرماتے ہین (ناخن کا جگر کھودنا) اب محاورے مین داخل نہین ہے (ناخن جگر چھیلنے لگا) بولا جاتا ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ بعض استادان معاصر اس کے استعمال کو غیر فصیح نہین کہتے اور غالب کے کلام مین اس کا استعمال ہے اور ہمارا ذوق ذاتی بھی اس کے خلاف نہین ہے (غالب ؎) پھر جگر کھودنے لگا ناخن پہ آمد فصل لالہ کاری ہے پہ

ناگون عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ یہ غیر فصیح ہے اور اس کی جگہ [illegible] فصیح ہے اور آپ نے اس [illegible] کی مثال مین جناب امیر مینائی کے [illegible] شعر کی نقل کی ہے جو [illegible] ہے [illegible] ناخوش [illegible] (امیر ؎) [illegible]

وہان سے چھیڑا تن پہ نہین لاتا تو عدم بھی
یا آلہی کیا کوئی ناگون کی بستی ہے؟ مؤلف
عرض کرتا ہے کہ ہم پہلے اُس تصحیف کو عرض
کرتے ہین جو نقل شعر مین ہوئی ہے۔ دیوان
مطبوعہ امیر المطابع حیدرآباد ہمارے سامنے
ہے جس مین مصرع دوم حسب ذیل ہے (ع)
عدم مین بھی آلہی کیا کوئی ناگون کی بستی ہے
اس اختلاف نقطی کو ہم نے صرف صحت
شعر کے لئے عرض کر دیا اور اب (ناگون)
کی حقیقت ہدیہ ناظرین کرتے ہین۔ زبان
سنسکرت مین (ناںگا) اوس شخص کو کہتے
ہین جو سر تا پا برہنہ ہو۔ اور اسی کو حضرت
عشرت فصاحت کے ساتھ (ننگا) فرماتے
ہین اہل سنسکرت نے اُس قوم کو بھی
ناںگا کہا ہے جو برہنہ زندگی بسر کرتی ہے
اور دکن کے اضلاع مرہٹواڑی مین تو ان
دھیڑون اور چمارون کو بھی (ناںگا) کے
نام سے پکارتے ہین جن کے تن پر بجز
ایک دھجی کے سوا لنگوٹی کے اور کوئی کپڑا
نہین ہوتا اس لفظ کو اس قوم برہنہ کے
معنون مین بعض لغات سنسکرت نے
(ناںگا) بہ نون سوم لکھا ہے اور بعض
لغات مین (ناگا) بحذف نون سوم اس
کا مخفف مذکور ہے۔ محقق سنسکرت (صاحب
دلیل ساطع) کے سوا محقق دہلوی (صاحب
فرہنگ آصفیہ) نے بھی (ناںگا) کا ذکر
کیا ہے اور اس کو ہندی کہا ہے۔ اور
یہ نہین صراحت کی کہ ناںگا سے سنسکرت
کا مخفف ہے۔ اور معنون مین فرمایا ہے
کہ وہ فقیر جو ننگے رہتے ہین اور ایک وحشی
جنگجو قوم جو آسام کے جنوبی پہاڑون مین
رہتی ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ کے بیان
فرمانے مین بلحاظ لفظ (ناگا) آپ کا خیال
مبارک ناگ یعنی سانپ کی جانب رجوع
ہوا ہے اور لغت اصل اور خود آپ کے
بیان کئے ہوئے معنی اوّل کے لحاظ سے
برہنگی کی جانب نہین گیا اور غالباً آپ
ماخذ صحیح کے معلوم کرنے مین اس لئے

معذور ہیں کہ آپ کو لغت اصل کی اطلاع نہ تھی
اور لغت محققہ کے پہلے معنوں کے لحاظ سے
غور نہیں ہوا۔ الحاصل اس قوم کا وجود مسلّم
ہے۔ اور اس قوم کی برہنگی مسلّم اور اس
قوم کا نام سنسکرت میں (ناگا) مسلّم اور
سنسکرت میں برہنگے شخص کو ناگا کہنا بھی
مسلّم جناب امیر مینائی اس لغت کی حقیقت
سے کامل واقف تھے جبھی تو آپ نے (ناگا لچا)
کا استعمال کیا۔ اور حضرت عشرت لکھنوی
نے جو مجلس اصلاح زبان کے معتمد ہیں
یہ خیال فرمایا کہ امیر مینائی نے (ننگا لچا)
کو دیہاتی زبان میں (ناگا لچا) کہا بناءً
علیہ آپ نے مہربانی سے ہدایت فرمائی
کہ اس کی جگہ (ننگا لچا) کا استعمال فصیح
ہے اور کلام امیر کی نقل اسلئے کی کہ معاصرین
سخنور ایسی غلطی نہ کریں جیسی کہ امیر مینائی
نے کی ہے۔ ہم نے حقیقت حال پر اس
لئے روشنی ڈالی ہے کہ سخنوران ہمعصر
اس سے آگاہ ہو جائیں کہ امیر مینائی کی نسبت سخن
اور ہمہ دانی کا کیا رتبہ تھا اور مصلحین زبان
اور ناصحان ترک الفاظ کا کیا درجہ ہے۔

نت قرار شاہ جہان پوری فرماتے ہیں
اب یہ مستعمل نہیں ہے اور اس کی جگہ ہر وقت
مستعمل۔ محقق دہلوی نے (فرہنگ آصفیہ)
میں نت کا ذکر فرمایا ہے اور اس کے مرکبات
بھی لکھے ہیں۔ اور جلال لکھنوی نے (سرمایۂ
زبان اردو) میں (نت نیا اور نت نئی) پر
قناعت کی ہے مؤلف عرض کرتا ہے
استادان سلف نے اس کا استعمال کیا ہے
اور بعض استادان معاصر کو بھی یہ لفظ پسند
ہے۔ اور ہمارا ذوق ذاتی بھی اس کے
استعمال کو پسند کرتا ہے (جرأت سے) نہیں
اور فرہاد کو اس نے دکھلائے دشت و کوہ ٭
عشق ہم کو نت نیا اک کام فرماتا رہا ٭ (بحر
سے) مبتلا نت نئی آفت میں رہا کرتے
ہیں ٭ روز اللہ سے رہتی ہے مناجات
نئی ٭ (از فرہنگ آصفیہ سے) سینہ پر
رہتی ہے نت تصویر یار ٭ دل نے جب چاہا

اُٹھائی دیکھ لی ۞ (انشا سے) نیت ہنسی اور
خوشی بھی رہے انشاء اللہ ۞ میرے وآل
وہ کسی چیز سے لاچار نہ ہو ۞

نزدیک وصل عشرت لکھنوی فرماتے
ہین کہ اب یہ غیر فصیح ہے (ہنگام وصل)
کہنا چاہیے **مؤلف** عرض کرتا ہے کہ استادان
معاصر اس کے استعمال کو غیر فصیح نہین سمجھتے
اور جناب امیر مینائی کے کلام مین بھی اس
کا استعمال ہے۔ ہمارا ذوق ذاتی بھی اس
کو پسند کرتا ہے (امیر سے) نزدیک وصل
دلربا دل کو تسلی ہے بجا ۞ لنگر سفینے کو ہوا
پہنچا اگر ساحل کے پاس ۞

نشا بقول جلال لکھنوی کیفیت شراب
کے معنون مین بفتحتین بروزن صبا غلط
ہے اور نشئہ بفتح اوّل وسکون ثانی وہمزہ
مفتوح ہو تا ہے مو قوفہ صحیح ہے۔ ضیا ے
دہلوی فرماتے ہین کہ عربی مین یہ لفظ نشوۃ
ہے غالباً فارسیون نے نشّہ مفرس کر لیا
ہے غیاث مین بروزن پشّہ لکھا ہے
دوسری کتابون سے پتا نہین چلتا۔ اور
چونکہ بروزن پشّہ و بروزن قشقہ دونون
طرح فعلن کے وزن پر ہے لہذا اشعار
سے بھی ثابت نہین ہو سکتا کہ حرف دوم
مشدد ہے یا ساکن (آپ کی تصحیح کا حاصل
یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو کمال سے اختلاف
ہے لیکن آپ اس کا تصفیہ آخر نہ کر سکے)
آپ فرماتے ہین کہ (نشا) بروزن صبا
مہمل ہے **مؤلف** عرض کرتا ہے کہ نشّہ
بتشدید شین فارسی زبان کا لغت ہے
صاحب غیاث اللغات کا قول ہے کہ بفتح
نون وشین معجمہ مشدد و بروزن پشّہ بیہوشی
وکندی حواس کہ از خوردن شراب و بنگ
وغیرہ پیدا شود و کسانیکہ برا ے این
معنی (نشاء) بالف وہمزہ می نویسند غلط است
صاحب بہار عجم کہتے ہین (نشاء الف سوم
اور ہمزہ کے ساتھ) مستی وکیفیت کہ
از خوردن شراب و دیگر مسکرات بہم رسد
(بیدل سے) آخر زگریہ نشاء شوقم بلند شد

اشک آنقدر چکید کہ جام شراب داد۔ صاحب
نفائس اللغات نے فرمایا ہے کہ نشّا بفتح
اوّل و دوم بالف رسیدہ لغت فارسی است
در اردو سے ہندی مستعمل بمعنی کیفیتے کہ از
خوردن مسکرات حاصل شود۔ محقق دہلوی کا
یعنی صاحب فرہنگ آصفیہ نے نشّا پر لکھا ہے
یہ لفظ اردو ہے اور صحیح عربی مین نشّہ بہ
تشدید شین معجمہ ہے اور فرماتے ہین۔
کہ صاحب نفائس نے اس کو فارسی قرار
دیا ہے۔ اور صاحب بہار عجم اس کو
اخیر مین ہمزہ کے ساتھ لکھکر عربی ہونے کا
شبہ ڈالتے ہین۔ صاحب آب حیات نشّاءؔ
لکھتے ہین جس سے ثابت ہے کہ نشّا اس
کا مخفف ہے اور یہ در اصل فارسی ہے صاحب
غیاث اللغات اس کا املا نشّہ بروزن پشّہ
لکھکر عربی و فارسی ہونے کا احتمال پیدا
کرتے ہین۔ ان کے نزدیک الف یا ہمزہ
سے لکھنا غلط محض ہے اس سے معلوم
ہوتا ہے کہ تشدید حذف ہو کر نشہ ہو گیا۔

صاحب تنقیح اللغات بھی انھین کے ہمزبان
ہین مگر انھون نے مشدد ہونا ثابت نہین کیا
پس ان اختلافات کی وجہ سے ہم نے بھی
اس کو اردو قرار دیکر اساتذہ کے کلام کے
موافق نشّہ فارسی ہی مانا (انتہی کلامہ)
اور آپ نے اس کے مقام پر نشّہ قائم
کرکے فارسی فرمایا ہے۔ اور نشّا کا حوالہ
دیا ہے اور تمام مرکبات نشّہ کا بھی ذکر کیا
ہے۔ اب مؤلف حقیر عرض کرتا ہے کہ
عربی زبان مین بقول محیط المحیط و منتہی الارب
(نشوۃ) بمعنی مستی ہے۔ فارسیون نے
واو کو حذف کیا اور تاے مدورہ کو بقاعدۂ
فارسی بشکل ہا لکھا اور نشّہ پر اس قدر
اور تصرف کیا کہ اس کی شین کو بحالت
اضافت مشدد بھی کر لیا جس کا استعمال
کلام فرس مین کثرت سے موجود ہے جسکی
کتابت مین اہل مطابع ہند نے یہ تصرف
کیا کہ جہان کہین یہ لفظ پایا گیا اس کو الف
آخر کے ساتھ نشّا لکھا اس تصرف کی بنا

دلیل یہ ہے کہ جن اشعار مین یہ لفظ بہ ترکیب
اضافی مستعمل ہے اس کی کتابت مین ایک
ہمزہ بھی بڑہاکر شعر کو موزون کرلیا ہے جس
کی مثال وہی شعر مرزا بیدل ہے جو اوپر
گزرا۔ قاعدہ فارسی کے موافق اُن الفاظ
مین جن کے آخر مین الف ہے بحالت اضافت
الف کے بعد یا کا لانا لازم ہے جیسے (قبای
ریشمی) پس اگر نشا الف آخر مفرس ہوتا
تو اس کا استعمال بحالت ترکیب یا کے
ساتھ ہوتا اور مرزا بیدل بھی (نشای
شوق) استعمال کرتے درحالیکہ آپ نے
ایسا نہین کیا بلکہ (نشۂ شوق) کا استعمال
کیا اور کاتبین نے اس کو تصحیف کے
ساتھ (نشاء شوق) خلاف قاعدہ فارسی
لکھا اسی کتابت غلط نے صاحب بہار عجم
کو دہوکا دیا۔ لیکن اُنکی احتیاط نے حلیہ لفظ
کو بیان کرنے کی اجازت نہین دی اور
صاحب نفائس اللغات نے بہار عجم سے
دہوکا کھایا۔ اگرچہ صاحب غیاث نے تفصیلی

بحث نہین کی ہے لیکن معلوم ایسا ہوتا
ہے کہ وہ حقیقت سے واقف نتھے۔ کمال لکھنوی
کا اس قدر احسان ہے کہ انھون نے
اس لفظ سے بحث کی اور ہم کو اس کی
حقیقت پر روشنی ڈالنے کا موقع ملا۔
فارسی لغات یعنی برہان قاطع و دلیل ساطع
فرہنگ جہانگیری و رشیدی و انجمن آرای
ناصری و لغات سروری و سراج اللغات
و لغات فدائی کا سکوت اس لئے ہے کہ
یہ لفظ فارسی نہین ہے اور مفرسات
سے وہ ہمیشہ کنی کاٹتے ہین۔ جس قدر
اشعار نشا کی سند مین صاحب بہار عجم
نے لکھے ہین ان سب مین نشہ کی کتابت
الف آخر کے ساتھ ہوئی ہے۔ اور اگر ان
مین مرزا بیدل کا شعر نہ ہوتا جس مین یہ
لفظ بترکیب اضافی ہے تو ہم کو اس بحث
کے فیصلہ مین بڑی دشواری ہوتی جس
قدر اور اشعار فارسی ملے جن مین نشہ
کا استعمال بہ ترکیب اضافی تھا سب مین

ہم نے نشہ کو بہ تشدید شین پایا اور کاتبوں کی ہی
تحریف پائی جس کا ذکر اوپر گزرا۔ صاحب فرہنگ
آصفیہ نے نشا کو اردو کہتے ہیں۔ تسلیم فرمایا
ہے یہ تو خاصا ہتھیار ہے اور سیدھا راستہ یہ
ہے کہ بحالت ترکیب (نشۂ شراب) باندھیں جیسا
کہ ذوق نے اردو میں عمل کیا ہے (سہ)
جتنے نشے ہیں یاں کروش نشۂ شراب ؂ ہو
جاتے بدمزہ ہیں جو بڑھ جاتے حد سے ہیں ؂
واضح ہو کہ استادان سلف اردو نے
نشہ کا استعمال بھی اپنے کلام میں کیا ہے
(آتش سہ) دکھا کر آنکھ بیہوشوں کو وہ
بیہوش کرتے ہیں ؂ ترشروئی سے اسکی
نشے مستوں کے اترتے ہیں (بحر سہ)
بہ شمشیر وقت آیا جو اپنے نشے پانی کا ؂
چڑھا یا زخم سے ساغر شراب ارغوانی کا ؂
(ناسخ سہ) چڑھتے ہی لب میگوں کے جو
لپٹا تجھ سے ؂ رکھیو معذور مجھے نشہ چڑھا
ہوے کا ؂ (اسیر سہ) خیال نرگس میگون
جو وقت خواب رہا ؂ تمام رات مجھے نشہ
شراب رہا ؂ (امانت سہ) برگ چھالے کی
طرح خشک بدن ہوتا ہے ؂ نشہ آنکھوں
سے جوانوں کے ہرن ہوتا ہے ؂ (اسیر
سہ) وہ دیوانہ ہوں ڈر سے میرے آگے
آنہیں سکتے ؂ ہرن ہے نشہ جرأت ہر اک
یوز شکاری کا ؂ جن استادان اردو نے
اس کا استعمال بدون تشدید کیا ہے اسکا
کے آخر میں ہمزہ نہیں ہے جیسے (معروف
سہ) زرا ہدا بیداریوں کے گرچہ تم ہو مست
خواب ؂ اس کو دیکھو تو ہرن ہو جاے حضرت
کا نشا ؂ (میر سہ) کہلا نشے میں جو گڑی
کا پیچ اسکی میر ؂ سمند ناز کو اک اور
تازیانہ ہوا ؂ ذوق کے شعر متذکرہ بالا
کے مصرع اول میں نشے کا استعمال ہے
جو نشا کی جمع ہے۔ اگر اردو میں نشئہ بفتح
نون وسکون شین وفتح ہمزہ یا اسے
ساکن ہوتا تو اس کی جمع نشئے ہوتی نہ
نشے۔ معروف کی سند میں بھی نشا بدون
ہمزہ کا استعمال ہے۔ اگر ہم معترض کو صرف

نشہ بدون تشدید شین مانین تو ہوسکتا
ہے۔ لیکن فارسیون نے اس کے مرکب
اضافی کا جو استعمال کیا ہے جیسے (بیدل کا
کلام) اور استادان اردو نے اسی فارسی
ترکیب کے ساتھ جو استعمال (نشہ شراب)
کا کیا ہے (جیسے ذوق کا کلام) اس سے
تشدید شین ثابت ہے۔ البتہ یہ کہہ سکتے
ہین کہ فارسیون نے اس کا مفرد استعمال
بدون تشدید (نشہ بنون مفتوح و شین
مفتوح و ہاے ساکن) بھی کیا ہے جیسے
(شیخ العارفین سدا زبہار عجم) نشہ وطینت ہے
چشم فسونساز ت ریخت ٭ ساقی می کدہ
با نرگس جادو سے تو بود ٭ کاتب بہار عجم
نے اس شعر مین بھی نشہ کو الف سوم با
ہمزہ سے لکھ مارا ہے جس کی تردید ہم
نے اوپر کی ہے۔ اب اس قدر تحقیق و
تشریح کے بعد ہمارا فیصلہ یہی ہے کہ
ان معنون کے لئے لغت عربی (نشوۃ)
ہے۔ اور اس کا مفرس (نشہ بدون تشدید
شین) اور استعمال فرس بہ تشدید شین
بھی ہے۔ اور اس مفرس کا استعمال بہ
تشدید و تخفیف دونون طرح اردو مین
بھی ہوا ہے۔ اور اردو نے ضرورت پر
اس کے ہاے ہوز آخر کو الف سے بھی بدلا
ہے۔ اور اس تصرف کی وجہ سے (نشا)
ہندی ہے۔ کمال لکھنوی نے (نشأ بالفتح
و ہمزۂ مفتوح) کو جو صحیح مانا ہے غلط ہے صاحب
غیاث کا نشہ مشدد صحیح ہے (جس
کے پیر و ضیا سے دہلوی ہین) لیکن اسی
کے ساتھ بہ تخفیف و بدون ہمزہ بھی صحیح
ہے اور یہ دونون مفرس ہین اور صاحب
فرہنگ آصفیہ کا (نشا) بدون ہمزہ صرف
بالف سوم صحیح ہے۔ اور یہ بقول ہ اردو
نہین ہے۔ بلکہ ہندی از فارسی تبدیل ہاے
ہوز بالف ہے۔ پس ہم فارسی مین اس
کا استعمال مرکب (نشۂ مے) بہ تشدید و
تخفیف دونون طرح کر سکتے ہین۔ اور
بقاعدۂ فارسی اردو مین بھی اور اردو

مین استعمال مفرد (۱) نشّہ (۲) نشہ (۳) نشا۔ ہو سکتا ہے ۱ و ۲ باتباع فارسی اور (۳) بلحاظ تہنید۔ اور اس ہندکو اگر ہم چاہین تو بحالت ترکیب بقاعدہ فارسیا (نشا سے مے) بہی باندہ سکتے ہین اور یہ ہمارا خیال آخری بنی ہے ہماری اُس راے پر جس کی صراحت ہم نے (حیوۃ العزیز) کے گیارہوین باب مین کی ہے۔ صاحب نفائس کا تسامح ہے کہ آپ نے (نشا بالف آخر) کو فارسی خیال کیا۔ اور صاحب فرہنگ آصفیہ کی چوک ہے کہ آپ نے (نشہ بہ تشدید شین) کو عربی سمجھا۔

نقاہت | کمال لکہنوی فرماتے ہین یہ لفظ بمعنی ناتوانی نہ لغات عربیہ مین پایا جاتا ہے۔ اور نہ شعراے پارس کے کلام مین۔ ضیاے دہلوی کہتے ہین قاموس اور محیط مین اس کے مادّے نقہ کا ذکر ہے۔ فارسیون نے اس کا استعمال انھین معنون مین کیا ہے (قاآنی سہ)

چون مہ چاردہ رخشان ز صباحت فربہ ٭ لیک تن شان ز نقاہت چو مہ نو لاغر ٭

(خالق سہ) او بیالین نشستہ چون توأم دیدنش ٭ از نقاہت چشم بکشا دن نمی آید مرا ٭ اردو مین برق لکہنوی کے کلام مین اس کا استعمال ہے (سہ) ایسا جو نقاہت سے گہٹیگا بدن اس کا خود پاؤن مین مجنون کے سلاسل نہ رہینگی ٭

مؤلف عرض کرتا ہے صاحب منتخب اللغات محقق زبان عرب نے البتہ اس کا ذکر کیا ہے۔ اور استادان فارسی کا استعمال بہی ہے محقق دہلوی (صاحب فرہنگ آصفیہ) نے اس کو عربی کہا ہے اور اردو مین اس کا استعمال بمعنی ضعف اور ناتوانی بیان کیا ہے۔ ہم کو کمال سے اختلاف اور ضیا سے اتفاق ہے اور ہمارا ذوق اسکے استعمال کو پسند کرتا ہے۔

نقشہ | کمال لکہنوی فرماتے ہین بمعنی صورت مع الہا ہندی ہے کلام عرب و

فرس ہین ان معنون ہین نہین ہے پس
اس کو یہ ترکیب فارسی استعمال نہ کرنا چاہئے
اور اس کے آخر مین بجاے ہاے ہوز
الف لکھنا چاہئے۔ ضیاے دہلوی فرماتے
ہین کہ یہ ہندی ہے۔ اگر اردو مین مع الہا
لکھین تو صرف معنوی تصرف سے ہندی
سمجھا جائیگا۔ اور اگر دریا وصحرا کے قافیون
مین آئیگا تو الف سے لکھا جائیگا اور
لفظاً ومعنیً دونون طرح ہندی ٹھہریگا
مؤلف عرض کرتا ہے کہ ہم نے (حیرۃ اللغۃ)
کے گیارہوین باب مین اس کا ذکر تمثیلاً
کیا ہے۔ اور ہماری راے مین یہہ
ہندی نہین ہے بلکہ فارسی زبان کا لفظ
ہے۔ ہم کو کمال اور ضیا دونون سے
اختلاف ہے۔ اور اس کا استعمال
بہ ترکیب فارسی اردو مین ہو سکتا ہے
اور اگر ہندی ہوتا تو جب بھی ہمارے اصول
کے لحاظ سے بہ ترکیب فارسی مستعمل ہو سکتا

نگہا عشرت لکھنوی فرماتے ہین بمعنی
شہر متروک۔ صاحب فرہنگ آصفیہ فرماتے
ہین (ہندی) (گنوارون کا استعمال)
بمعنی شہر۔ قصبہ۔ بستی مؤلف عرض
کرتا ہے کہ نگر کو شہر۔ قصبہ۔ اور بستی
کے معنون مین بلا امتیاز استعمال کرنا
بے شک گنوارون کا کام ہے۔ مطلق
آبادی کے معنون مین ہمارے ذوق
کے موافق ہے۔ اور شہر خاص ہے اس
آبادی کے لئے جو قصبہ سے زیادہ آباد
ہو۔ نگر کو ترک کرکے اس کی جگہ شہر کا
استعمال ہمارے ذوق کے خلاف ہے
استادون نے اس کا استعمال کیا ہے
(رندہ) ہے جو منظور ادھر ہو اب
ادھر کی دنیا ٭ اُجڑی جاتی ہے یہ بستی
وہ نگر بستا ہے ٭ (ناسخہ) دل یہ ظاہر
ہے حال ہر دل کا ٭ اس نگر مین کدھر
کی ڈاک نہین ٭

نگہرا عشرت لکھنوی فرماتے ہین یہہ
عورتون کا محاورہ ہے۔ مرد بے گھر)

بولتے ہین مؤلف عرض کرتا ہے اگرچہ صاحب فرہنگ آصفیہ نے اس کو ترک کیا ہے۔ اور جلال لکھنوی نے (سرمایۂ زبان اردو) مین بھی اس کا ذکر نہین کیا لیکن جناب امیر مینائی کے کلام مین اس کا استعمال موجود ہے - لہذا ہم اس محاورہ کو عورتون سے مخصوص نہین سمجھتے اور ہمارا ذوق ذاتی اس کے ترک کی اجازت نہین دیتا (امیر ؎) دیکھون اب خانہ خرابی سبب مجھے لیجاے کہان ٭ گھر اکرکے

تم ہین آپ سے بارے گھر گئے ٭

نمط عشرت لکھنوی فرماتے ہین اب اس کا استعمال غیر فصیح - طرح بولنا چاہیئے مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ محقق دہلوی (صاحب فرہنگ آصفیہ) نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اور غیر فصاحت یا ترک کا کوئی اشارہ نہین فرمایا ہے اور ذوق کے کلام مین اس کا استعمال بھی ہے لیکن ہمارا ذاتی ذوق اس کے استعمال کو نہین پسند کرتا (ذوق ؎) ہے قطع رہ عشق مین اسے ذوق ادب شرط ٭

یان شمع نمط سرہی کے بل جاے تو اچھا ٭

ٹھورانا عشرت لکھنوی فرماتے ہین اب اس کا استعمال بمعنی جھکانا متروک مؤلف عرض کرتا ہے کہ محقق دہلوی (صاحب فرہنگ آصفیہ) نے اس کو نہین معنون مین ہر رائے ہندی لکھا ہے اور ترک کا اشارہ کیا ہے اگرچہ آتش کے کلام مین اس کا استعمال ہے لیکن مؤلف کا ذوق ذاتی اس کے خلاف ہے (آتش ؎) تواضع دشمن جان کی زیادہ قتل کرتی ہے ٭ خم شمشیر معشوقون

کا ٹھورانا ہے گردن کا ٭

ٹھووے قرار شاہجہان پوری اور عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ اب اس کا استعمال نہین ہے - اس کی جگہ ٹہو مستعمل ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ آتش کے کلام مین اس کا استعمال ہے - لیکن ہمارا ذوق ذاتی قرار و عشرت سے متفق ہے (آتش ؎) حیف کی جا ہے ٹہووے تم وچہ سب اس کی زبان پر پرورش پایا ہوا ہے

آدمی ہے شیر کا ؎

تھوین قرار شاہجہان پوری فرماتے ہین اب اس کا استعمال متروک ہے اسکی جگہ تھون مستعمل مؤلف عرض کرتا ہے اگرچہ آتش کے کلام مین اس کا استعمال ہے لیکن ہمارا ذوق قرار سے متفق ہے (آتش ؎)

نالون کی بحث کا کسے آتش دماغ ہے ؎
یا ہم نہ ہووین یا جرس کاروان نہ ہو ؎

تے عشرت لکھنوی اور قرار شاہجہان پوری دونون نے فرمایا ہے کہ اب اس کے عوض نہ کا استعمال ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ جلال لکھنوی نے (سرمایۂ زبان اردو) مین ترک کیا ہے۔ اور محقق دہلوی نے (فرہنگ آصفیہ) مین بھی اس کا ذکر نہین کیا۔ اور یہ فارسی زبان کا لفظ ہے۔ اردو مین غالب نے اس کا استعمال کیا ہے اور ہمارا ذوق ذاتی اس کے موافق ہے (غالب ؎) رو مین ہے رخش عمر کہان دیکھیے تھمے ؎
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب مین ؎

واو

وار پر قرار شاہجہان پوری فرماتے ہین اب بمعنی (باری پر) یہ مستعمل نہین ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ جلال لکھنوی نے (سرمایہ زبان اردو) مین لکھا ہے۔ وار تلوار خنجر۔ نیزہ وغیرہ کی ضرب جو حریف پر لڑائی مین مارین۔ اور ایک کلمہ ہے کہ اس طرف اور اودہر کے معنی کا فائدہ دیتا ہے محقق دہلوی نے (فرہنگ آصفیہ) مین بارے کے مضمون مین بھی اس کا استعمال لکھا ہے جیسے "اپنا اپنا وار ہے" مین بھی سمجھا ہوا تھا" اور کوئی اشارہ اس کے ترک یا غیر فصاحت کا نہین کیا ہے۔ استاد ذوق کے کلام مین اس کا استعمال ہے۔ اور ہمارا ذوق اس کو پسند کرتا ہے (داغ ؎) کم نصیبی اس کو کہتے ہین کہ میرے وار پر ؎ دست ساقی سے ادہر شیشہ اودہر ساغر گرا ؎

وار ان قرار شاہجہان پوری فرماتے ہین

اب اس کا استعمال بمعنی وہان نہین ہے عشرت لکھنوی نے بھی اسکو متروک قرار دیا ہے آپ فرماتے ہین اب فصحاے لکھنؤ اسکا استعمال نہین کرتے ۔ مگر فصحاے دہلی اس کو جائز رکھتے ہین ۔ کمال لکھنوی نے اس کو بالکل مہمل کہا ہے ۔ اور ضیاے دہلوی نے اسکی تردید کی ہے ۔ داغ مغفور نے اپنے دیوان (جناب داغ) کے خاتمہ مین فرمایا ہے ہم نے اس کو ترک کیا ہے لیکن تلامذہ کو اختیار ہے کہ چاہین ترک کرین یا نہ کرین مؤلف عرض کرتا ہے کہ استادون کے کلام مین اسکا استعمال ہے اور ہمارا ذوق ذاتی بھی اس کے استعمال کو پسند کرتا ہے اور بعض استادان معاصر کو بھی ہم سے اتفاق ہے (جلال ع) جب وان نہ ہو قبول دعا بھی تو کیا حصول ؂ (امیر ؎) ہم چاہین دل ملے وہ ملاتے نہین ہین آنکھ ؂ وان جام سے دریغ یہان ہے سبو پسند ؂

وصلت | قرار شاہجہان پوری اور عشرت لکھنوی فرماتے ہین اب اس کا استعمال بمعنی وصل بعض فصحا نے ترک کر دیا ہے ۔ اس کے عوض وصل ہی کا استعمال ہے ۔ مؤلف عرض کرتا ہے کہ یہ عربی زبان کا لغت ہے بقول منتخب اللغات بالضم بمعنی پیوند و خویشی صاحب منتہی الارب نے اس کو بمعنی پیوستگی لکھا ہے ۔ لغات فارسی اس کی تفریس سے ساکت ہین ۔ لیکن اردو مین شعراے سلف اور معاصر نے اس کا استعمال بمعنی وصل کیا ہے اور ہماری راے مین یہہ مستند ہے اور ہمارا ذوق اس کے استعمال کو پسند کرتا ہے (شاد ؎) خواہش وصلت نے پھاڑا جامۂ یوسف جوان ؂ پیرزن کی پاکدامانی کا پردہ کھل گیا ؂ (آتش ؎) فراق انجام کار آغاز وصلت مین بلاشک ہے ؂ بہت رویا مین روح تن کو جب مشتاق ہم پایا ؂ (امیر ؎) ہوش اڑ گئے تجھے تو اڑے تجھے خبر وصلت سے ؂ بیلنے لگے کبوتر اڑ گئی آنکھون سے خبر کی صورت ؂

وگرنہ کمال لکھنوی فرماتے ہین کہ یہہ متروک ہے اور اس کی جگہ (نہین تو) مستعمل ضیاے دہلوی کو کمال سے اختلاف ہے آپ اس کے استعمال کو درست سمجھتے ہین۔ قرار شاہجہانپوری نے بھی اس کو بمعنی لیکن متروک فرمایا ہے۔ استادان اردو نے اس کا استعمال کیا ہے اور ہمارے ذوق ذاتی کے موافق ہے (ذوق سہ) آنے سے مرے ٹہیر گئے آپ وگرنہ ٭ جانے کا ارادہ توکہین ہو ہی چکا تھا ٭ (جلال سہ) فقط ہے دلکے یہ بخت سیاہ کی گردش ٭ وگرنہ کوچۂ گیسو مین راہ کی گردش ٭ ہماری سمجھ مین نہین آیا کہ قرار شاہجہانپوری نے اس کو بمعنی لیکن کیونکر لکھا۔

ولے قرار شاہجہان پوری فرماتے ہین کہ اب اس کا استعمال بمعنی لیکن متروک ہے۔ عشرت لکھنوی کو بھی قرار سے اتفاق مؤلف عرض کرتا ہے کہ یہ فارسی زبان کا لفظ ہے (ولیکن) کا مخفف اگرچہ استادان اردو نے اس کا استعمال کیا ہے۔ لیکن ہمارا ذوق ذاتی اس کے خلاف ہے (مومن سہ) تو اب ترک صنم سچ سہی ولے مومن ٭ یہ کیا سبب ہے سناتے ہین بار بار مجھے ٭ (ناسخ سہ) ہون تو دیوانہ ولے کہتا ہون دانائی کی بات ٭ حلقۂ زنجیر سے بہتر حلقۂ احباب ہے ٭

ولیکن عشرت لکھنوی فرماتے ہین اب اس کا استعمال متروک ہے اور اس کی جگہ لیکن مستعمل ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ محقق دہلوی (صاحب فرہنگ آصفیہ) نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اور کوئی اشارہ غیر فصاحت یا ترک کا نہین فرمایا۔ یہ فارسی زبان کا لفظ ہے جس کا استعمال استادان سلف نے اپنے کلام مین کیا ہے۔ اور ہمارا ذوق ذاتی بھی اس کے موافق ہے (ناسخ سہ) داغ فراق سے شب فرقت مین جلوہ گر ٭ خورشید جلوہ گر ہے ولیکن سحر نہین ٭

وُوا عشرت لکھنوی اور قرار شاہ جہان پوری فرماتے ہین کہ اب یہ متروک ہے محقق دہلوی (صاحب فرہنگ آصفیہ) نے اس کا ذکر کیا ہے اور کوئی اشارہ اس کی غیر فصاحت یا ترک کا نہین کیا - استادان سلف اور معاصر کے کلام مین اس کا استعمال ہے اور مؤلف کا ذوق بھی اس کے استعمال کو پسند کرتا ہے (داغ ؔ) تجانا جانکا ایسا کسی نے جلد کبھی جانا ٭ تمہارا دو قدم چلنا یہان پامال ہوجانا ٭ اٹھائے غیر نے جو ناز بیجا اس کو دو جانے ٭ مجھے بھی تم نے وہ سمجھا مجھے بھی تم نے دو جانا ٭

وُون قرار شاہ جہان پوری فرماتے ہین اب اس کا استعمال متروک ہے اسکی جگہ وتیا کا استعمال ہے - اگرچہ صاحب فرہنگ آصفیہ نے اس کا ذکر کیا ہے - اور کوئی اشارہ اس کی غیر فصاحت یا ترک کا نہین کیا - اور استادون کے کلام مین اس کا استعمال بھی ہے لیکن مؤلف کا ذوق ذاتی اس کے خلاف ہے (ذوق ؔ) کیا کیا دیکھا تد نگہ ہم نے اسے ذوق ٭ یون بھی دیکھا جہان کہ وون بھی دیکھا ٭

ووہی عشرت لکھنوی اور قرار شاہ جہان پوری بالاتفاق فرماتے ہین کہ اب اس کا استعمال متروک ہے اور اسکی جگہ وہی مستعمل ہے - مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ استادان سلف کے کلام مین اس کا استعمال ہے لیکن ہمارا ذوق ذاتی اس کے خلاف ہے (مومن ؔ) وہ شام وعدہ جو آئے تو بے خود و سرمست ٭ رہا وصال مین بھی وہی انتظار مجھے ٭

ووہین عشرت لکھنوی اور قرار شاہ جہان پوری فرماتے ہین کہ اب یہ متروک ہے اور اس کی جگہ وہین مستعمل مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ استادان سلف کے کلام مین اس کا استعمال ہے لیکن ہمارا ذوق ذاتی بھی اس کے خلاف ہے (ناسخ ؔ) نکلے جو کوہ کو سودا ئے زلف یار مین ہم ٭ تو ووہین مار سیہ بنکے یار غار آیا ٭

وہاں | کمال لکھنوی فرماتے ہین یا قہ
مخلوط التلفظ سے بروزن فاع غیر فصیح
اور متروک ہے۔ اور بروزن فعل مستعمل
ضیاے دہلوی نے تصحیح کا عنوان تو قائم
فرمایا ہے لیکن تصحیح سے اسی طرح گریز
ہوئی ہے جس طرح (یہاں بروزن فاع)
پر مؤلف عرض کرتا ہے کہ آپ کا یہ ارشاد
بڑا لطف خیز ہے کہ استادان دہلی کے کلام
مین یاں اور واں کا استعمال ہے۔ اور
کمال نے ان دونوں الفاظ کو مہمل لکھا ہے
اب اگر ان مین (ہاے ہوز) کو داخل
کرین تو یہان۔ وہان بروزن فاع آئے
ہین جنھین مشفق نے متروک لکھا ہے (ذاتی)
مؤلف عرض کرتا ہے۔ اس تصحیح پر ضیا
دہلوی کو غور مکرر کرنا چاہئے جس کی [illegible]
متعلق ہماری سمجھ مین نہین آئی۔ سچی بات
کا اعتراف گناہ نہین ہے۔ ہمارا ذوق
ذاتی کمال سے متفق۔

وہا | عشرت لکھنوی فرماتے ہین کہ وا شُد
ترانہ اور اب اس کا استعمال غیر فصیح ہے
مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ استادان
سلف نے اس کا استعمال کیا ہے۔ لیکن
ہمارا ذاتی ذوق اس کے خلاف ہے (ناسخ
سے) بعد مدت سو گیا ہون چین سے ؎
یہ جنازہ ہے وہا گہوارہ ہے ؎

ہاے ہوز

ہائے | دیکھو ساتھ جب اپر اس کا تصفیہ ہوا

ہووے | قرار شاہجہانپوری فرماتے
ہین اب اس کا استعمال متروک ہے اس کے
عوض ہو مستعمل مؤلف عرض کرتا ہے
کہ اگرچہ استادان سلف کے کلام مین اس
کا استعمال ہے لیکن ہمارا ذوق بھی اس
کے خلاف ہے (مومن سے) مرگ سے
تھی زندگی کی آس سو جاتی رہی ؎ کیون
یہی حالت نہ ہووے غیر اچھا ہو گیا ؎

ہووینگا | قرار شاہجہانپوری فرماتے
ہین اب اس کا استعمال متروک ہے۔ اور
اس کے عوض ہوگا مستعمل ہے مؤلف

عرض کرتا ہے اگرچہ استادان سلف کے کلام میں اس کا استعمال ہے لیکن ہمارا ذوق ذاتی بھی اس کے خلاف ہے (انشا سہ)

اپنتو سُنتا ہے ہمیں چاہو سو پیارے کہہ لو ٭
پر تمھیں ہوویگا نقصان یہ گالی دینا ٭

ہوویگا | قرار شاہ جہان پوری فرماتے ہیں کہ اب اس کا استعمال متروک ہے اور اس کے عوض ہوگا مستعمل مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ استادان سلف کے کلام میں اس کا استعمال ہے لیکن ہمارا ذوق ذاتی اس کے خلاف ہے (مومن سہ)

وعدہ کرکے وہ نہ آئے تا سحر تو نہ پوچھا ہوویگا تکرار سے ٭

ہوویگی | قرار شاہ جہانپوری فرماتے ہیں اب اس کا استعمال متروک ہے اور اس کے عوض ہے مستعمل مؤلف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ استادان سلف کے کلام میں اس کا استعمال ہے لیکن ہمارا ذوق ذاتی بھی اس کے خلاف ہے (سودا سہ)

کم کان دہر سنو نہ سنو اس کے حرف کو یہ سودا کو ہوویگی اپنی ہی گفتار سے غرض ٭

یاے تحتانی

یان | قرار شاہ جہانپوری فرماتے ہیں کہ اب یہ مستعمل نہیں ہے۔ اس کے عوض یہاں مستعمل ہے۔ عشرت لکھنوی فرماتے ہیں کہ فصحاے لکھنؤ نے ترک کیا ہے۔ اور ان کے پاس غیر فصیح ہے۔ لیکن فصحاے دلی جائز رکھتے ہیں۔ کمال لکھنوی نے اس کو بالکل مہمل کہا ہے۔ ضیاے دہلوی تیر دید کمال فرماتے ہیں کہ یہ یہاں کا مخفف اور نثر آ روزمرہ میں مستعمل اور استاد جلال نے نظم میں بھی استعمال فرمایا ہے مؤلف عرض کرتا ہے کہ ہمارا ذوق اس کے استعمال کو پسند کرتا ہے۔ اور استادان سلف و معاصرین دہلی و لکھنؤ دونوں کے کلام میں مستعمل ہے (غالب سہ)

محرم نہیں ہے تو ہی نواہاے راز کا ٭ یان ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا ٭ (آتش

سے) وہ حد کم ظرف ہین جو ایک ساغر مین
بہکتے ہین ﴿ نہین قطرہ بھی یان ہنگام
نوشا نوش مین دریا ﴿ (انیس سے) ساحل
پہ اتارا ہوا وان فوج لعین کا ﴿ یان
دہوپ مین برپا ہوا خیمہ شہ دین کا ﴿ (امیر
سے) ہے جسے جس چیز کی خواہش ملے اسی
بزم مین ﴿ ڈہونڈے گر عاشق تو یان
معشوق کا پائے وہان ﴿ (جلال سے)
حشر سے کہتے پھرے ہم جلوہ اس کا
دیکھکر ﴿ حوصلہ یان بھی نہ نکلا شوق
خاطر خواہ کا ﴿

یہان | کمال لکہنوی فرماتے ہین یا سے
مخلوط التلفظ سے بر وزن فاع غیر فصیح
و متروک اور بر وزن فعل مستعمل۔ ضیا
دہلوی نے تصحیح کا عنوان تو قائم فرمایا ہے
لیکن تصحیح سے گریز۔ اور فرماتے ہین
یان کے استعمال کو کمال نے مہمل کہا ہے
اور استاد جلال کے کلام مین جو دیکھے پس
اگر اس پہ (ہاے ہوز) کو داخل کرین
تو وہی بر وزن فاع ہوتا ہے مؤلف
عرض کرتا ہے یہ تو تصحیح نہین ہے اتم
منطق ہے جس پر خود آپ کو مہربانی سے
غور مکرر کرنا چاہیئے۔ سچی بات کو مان ل
گناہ نہین۔ ہمارا ذوق ذاتی کمال سے
متفق ہے۔

تمام شد